رنگ جب محشر میں لائے گی تو اُڑ جائے گا رنگ
یہ نہ کہیئے سُرخیٔ خونِ شہیداں کچھ نہیں!



شاہ اسمٰعیل محدث دہلوی رح

شہید بالاکوٹ ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء



علمائے محتاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی صواب ہے، وھو الجواب وبہ یُفتی وعلیہ الفتویٰ وھو المذھب وعلیہ الاعتماد وفیہ السلامہ والسواد یہی جواب ہے یہی فتوے دیا جائے گا۔ اور اسی پر فتوے ہے اور یہی ہمارا مذہب اور اسی پر اعتماد اور اسی میں سلامتی ہے اور اسی میں استقامت ہے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی
تمہید ایمان ص۴۲ مطبوعہ ۱۳۲۶ھ

تالیف: پروفیسر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی



شائع کردہ:- مکتبہ دار المعارف : اردو بازار لاہور

اشاعتِ اوّل	۱۹۷۵ء
اشاعتِ دوم	۱۹۷۸ء
اشاعتِ سوم	۱۹۸۰ء
اشاعتِ چہارم	۱۹۸۶ء
تعداد	۱۰۰۰
طابع	دارالمعارف

اردو بازار۔ لاہور

ENGLAND

19-CHORLTON TERRACE UPPERBROOK

STREET MANCHESTER.13 ENGLAND

15 WOODSTOCK ROAD BIRMINGHAM.12

محمد زاہد ناظم دارالمعارف
الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

الکلام الفرید فی عقائد الشہید

پیغمبروں کی شان کے بارے میں ۹۲

مقربان بارگاہ ایزدی کی شان

مولانا اسمٰعیل شہید کا فقہی موقف

ختم اور ایصال ثواب

چند الزامات کی وضاحت

نماز کا مقام توحید

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

تعارف و اعتذار

پاک و ہند کی تحریک آزادی کن تیرہ و تاریک راہوں سے گزر کر منزل سے ہمکنار ہوئی اور علمائے اسلام کہاں کہاں دریائے خون میں تیرے ان واقعات کی یاد سے ہماری تاریخ میں تسلسل پیدا ہوتا ہے اور مضمحل رگوں میں تازہ خون کی لہر اٹھتی ہے ہم ذرا ماضی کی طرف پلٹیں تو بہتر سے بہتر مستقبل کی تعمیر کر سکتے ہیں۔ ان واقعات میں ایام اللہ کی عظمت جھلکتی ہے اور ان کی یاد سے وَذَکِّرْهُم بِاَیَّامِ اللہ کا ذوق ملتا ہے۔ ضرورت تھی کہ تحریک آزادی کے قافلوں کا قافلہ وار عام تعارف ہو اور اس سے جدید نسل واقف ہو سکے۔

اس تحریک کے سابقین اولین فکری طور پر حضرت امام شاہ ولی اللہؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور عملی طور پر ان کے خلفاء حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ تھے ان شہیدوں نے سرزمین ہند میں قربانیوں کی ابتداء کی ملت ابراہیم کو اپنے پہلے اسمٰعیل پر بھی ناز ہے اور پچھلے اسمٰعیل کی قربانی پہ بھی

تحریک آزادی نے آئندہ مختلف کروٹیں لیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تحریک آزادی کے خاکے میں پہلا رنگ شہدائے بالاکوٹ کے خون نے بھرا تھا۔

بیرونی دشمن طاقتیں ہمیشہ سے ساعی رہی ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے عظیم ہیروں سے بدگمان کیا جائے اور تفرقے کی اندرونی سازشیں ملت کو برابر متاثر کرتے رہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے کس طرح منہاج نبوت پر امت کی امامت فرمائی یہ ہماری تاریخ کا بہت روشن باب ہے لیکن کس

طرح ان بزرگوں کو یہود و مجوس کی سازشوں نے بدنام کیا یہ اپنی جگہ ایک تلخ حقیقت ہے
حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کو بدنام کرنے میں بھی بیرونی سامراج نے کوئی کمی نہیں کی جدید
نسلوں کو اپنے ماضی سے کاٹنے کے لیے ان حضرات کے خلاف تفرقے کے شعلے اس بھیانک
انداز میں پھیلائے گئے کہ ملت خواہ مخواہ دو حصوں میں بٹ گئی۔

یہ مختصر رسالہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے یہ اہلِ حق کا دفاع ہے اور محدثین دہلی سے تاریخی وابستگی
کی ایک حسین یاد ہے اس وقت پاکستان میں اور بیرون پاکستان فریب خوردہ واعظوں کی ایک لمبی
قطار لگی ہے جو شب و روز مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے خلاف گستاخی رسولﷺ کا لاوا اگلتے ہیں اور اس
ذوق تکفیر میں ان کے پینے پلانے کے جام چھلکتے ہیں۔ تاریخ کو مسخ کرنے کے اس جاہلانہ شوق پر
جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے کہ اس کے پیچھے بیرونی طاقتیں کارفرما ہیں۔

اپنے منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا — طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

اس معرکہ تفریق پر آئندہ ملکی سیاست کے خطوط کھینچے جا رہے ہیں یہ غلط انداز فکر قوم کو کہاں
لے جائے گا یہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں۔ یہ رسالہ آہ مظلوم ہے جو اہلِ خانہ کو خانہ بدر کرنے
کے ظلم کے خلاف اٹھی ہے مظلوم کو آہ بھرنے سے روکنا یہ اور ظلم ہوگا۔

جب بھی گلشن کو خون کی ضرورت پڑی — سب سے پہلے ہی گردن ہماری کٹی
پھر بھی کہتے ہیں ہم سے اہل چمن — یہ ہمارا چمن ہے تمہارا نہیں

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے خلاف جو جو الزامات تصنیف کئے گئے ان کا اجمالی جواب ہمیشہ
ذہن میں رہنا چاہیئے کہ مولانا احمد رضا خاں نے حضرت شہیدؒ کی تکفیر نہیں کی بلکہ علماء و محتاطین کو اس
سے روکا اور فرمایا لزوم و التزام میں فرق ہے ہو سکتا ہے مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے ان عبارات میں کفری معنی مراد لیے ہوں
تفصیلی جواب کے لیے بہت سی جزئیات خود مولانا شہیدؒ کی تحریرات سے ہی پیش کی گئی ہیں۔ ہاں
ایک بڑا الزام جو ان واعظوں کے ہاں الزامات کا ناشتہ کہلاتا ہے وہ نماز میں حضور اکرمﷺ کا خیال
لانا ہے اس کی تفہیم و تفصیل ایک علیحدہ رسالے "نماز کا مقام توحید" میں ملے گی۔ والسلام

پیش لفظ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

تاریخی پس منظر

ہندوستان میں اورنگ زیب عالمگیرؒ کے بعد مسلمانوں کی سلطنت زوال کی طرف جا رہی تھی اور جو مسلم حکمران خود مختار ہو گئے تھے وہ بھی آہستہ آہستہ انحطاط کا شکار ہو رہے تھے۔ مغل تاج برائے نام رہ گیا تھا اور انگریز ہر سمت پھیل رہے تھے، بہت سے والیانِ ریاست نے محض اس لیے کہ ان کے اسباب عیش و عشرت باقی رہیں، اقتدار کی چوکھٹ پر سر رکھ دیا تھا اور مسلمان اپنی روایات سے بہت دُور چلے گئے تھے۔ جن مسلم قوتوں نے اس بجھتے ہوئے چراغ میں اپنا خون جلایا اُن میں سلطان ٹیپو شہید امید کی آخری کرن تھے، ان کے بعد کوئی مسلم سلطنت ایسی نہ رہی تھی جس میں قوم کی عظمتِ رفتہ کی کوئی جھلک باقی ہو۔ مسلمانوں پر یاس طاری تھا اور غیر مسلموں کا اقتدار سیلاب کی طرح بڑھ رہا تھا۔ پنجاب سکھوں کو مل گیا تھا اور وسط ہند میں مرہٹے اپنا کام کر رہے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

مسلم زوال کے انہی کھنڈرات میں ایک عظیم شخصیت اُبھری جس نے قوم کی نبض پر ہاتھ رکھا، قوموں کے عروج و زوال پر عبرت خیز بحث کی اور قوم کو اس حجت خلفشی کا درس دیا جو پوری ہو کر رہتی ہے۔ یہ بزرگ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) حجۃ اللہ البالغہ کے مصنف تھے۔ آپ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کچھ عرصہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں کام کر چکے تھے اور اُن کے

علم وفضل کی خاصی شہرت تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے علوم و معارف کی تجدید و تدوین سے مسلمانوں کے تنِ مُردہ میں زندگی کی رُوح پھونکی۔ سیاسی تنزّل کے دَور میں علم و فکر کا تحفظ کیا اور ظلمت کدہ ہند میں علم و فضل کے وہ چراغ روشن کیے جن کی تابانی آج بھی قوم کو روشنی بخش رہی ہے سیاسی زوال کے دَور میں اسلامی عقائد اور مُسلّم روایات کا تحفّظ ہی ایک ایسی زمین تھی جس پر آئندہ قصرِ آزادی کی بنا رکھی جاسکتی تھی۔ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی فکر تھی جو پہلے بالاکوٹ میں عمل بن کر اُبھری اور یہی وہ روحِ عمل تھی جس نے ۱۸۵۷ء کے تاریک خاکے میں رنگ بھرا۔ کبھی یہ رُوحِ عمل تحریکِ خلافت میں تڑپی اور جو چراغ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جلائے تھے، وہ آئندہ آنے والی آزادی کی ہر تحریک میں اپنے خون کا رنگ بھرتے رہے ۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے جانشین قطب الارشاد، شیخ المحدثین حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) اپنے وقت میں پورے ہندوستان کا علمی مرکز تھے۔ آپ نے علم و عمل کی پوری قوت سے اپنے والد کی تعلیمات کو جلا بخشی۔ آپ کے برادران حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ (۱۲۳۰ھ) اور حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ (۱۲۳۳ھ) ان دینی محنتوں میں آپ کے ساتھ تھے۔ جگہ جگہ علمی درسگاہیں تھا۔ عقیدہ اور قرآنی علوم کا فیضان عمل سُنّت کے ساتھ سارے ملک میں پھیل رہا تھا۔

ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ

علم و معرفت کے اس چشمہ صافی میں ایک سیاسی لہر اُٹھی۔ یہ لہر قطب الارشاد حضرت شاہ عبد العزیزؒ کا فتویٰ تھا کہ غلام ہندوستان دارالحرب ہے۔ اس حرب کلمی سے پورے ہندوستان

کی زمین تھرّا اُٹھی ۔

شریعت کا فتویٰ تھا حق کی منادی | کہ ہندوستاں کی زمیں سب ہلا دی
کہ جس نے سنا اس کو دُھن اک لگا دی | اور اک قوم اپنے ہی گھر سے اُٹھا دی

انگریز حکمران بھانپ گئے کہ آئندہ ان کے خلاف دھواں کہاں سے اُٹھنے والا ہے لیکن اتنی جلدی وہ کسی ایسے شخص کو آگے نہ لا سکتے تھے جو غلام ہندوستان کو دارالاسلام کہے اور دارالحرب کہنے والوں پر کفر کی گولہ باری کرے ۔ قوم کے ذہن کو اس درجہ گرانے کے لیے کچھ وقت کی مہلت درکار تھی ۔

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ (۱۲۴۶ھ) کا خاندانی تعارف

آپ اسی خاندانِ دہلی کے چشم و چراغ تھے ۔ آپ نے ان بزرگوں کی صحبت میں آنکھیں کھولی تھیں جو وقت کے اولیاء کبار تھے ۔ آپ قطب وقت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے بھتیجے اور شاگرد تھے ۔ ان کے سامنے ہی بڑے ہوئے اور ان کے سامنے ہی تعلیم و تبلیغ کی وادی میں قدم رکھا آپ عقائد و نظریات میں اپنے خاندان کے ترجمان تھے ۔ تحریکِ جہاد میں آپ اپنے شیخ طریقت مجاہد کبیر حضرت سید احمد بریلویؒ کے ساتھ شریک تھے جنھوں نے خرقہ خلافت حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے لیا تھا ۔

دہلی کی مسند حدیث ان دنوں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ کے دم سے آباد تھی ۔ آپ نے حضرت شاہ صاحبؒ کے سامنے اس مسند حدیث کو زینت بخشی اور پورے خاندانی اعتماد کے ساتھ آپ نے درس و فتویٰ کی ذمہ داری سنبھالی حضرت شاہ اسمٰعیل اور حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ کے فضل و کمال کا پتہ اس سے چلتا ہے ، کہ فرطِ مسرت میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی زبان پر کبھی یہ آیت جاری ہو جاتی تھی ۔

الحمد لله الذی وهب لی علی الكبر اسمٰعیل و اسحٰق

ان ربی لسمیع الدعاء (پ۱۳ ابراہیم ع ۶)

(ترجمہ) سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اس بڑی عمر میں مجھے اسمٰعیل اور اسحٰق بخشے ہیں، بے شک میرا رب سنتا ہے دُعا کو۔

حق یہ ہے کہ پورے ہندوستان پر اس خاندان کی علمی حکومت تھی جو لوگ حضرت شاہ اسمٰعیل محدث دہلوی پر ردّ و قدح کرتے ہیں وہ اس پس منظر کو بھول جاتے ہیں کہ آپ کس خاندان کے فرد تھے اور آپ کے عقائد و نظریات کن کن بزرگوں کے سامنے کھلے تھے۔ اس علمی خاندان کی شان یہ تھی کہ جہاں بھی علماء کرام تھے وہ اس خاندان کے بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد تھے اور تو اور مارہرہ کے گدی نشین بھی اسی خاندان کا دم بھرتے تھے اور انہی سے علم کی سند لیتے تھے۔

مارہرہ کے گدی نشینوں کا آستانہ عقیدت

مولوی فضل رسول بدایونی پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اس خاندان کی مخالفت کی، ان کے پیر شاہ آل احمد (۱۲۳۵ھ) نے بھی سندِ حدیث اسی گھر سے لی تھی [۱] حضرت سید آل احمد کے بھتیجے سید آل رسول (جو مولانا نقی علی خاں والد مولوی احمد رضا خاں کے پیر تھے اور مولوی احمد رضا خاں نے بھی عنفوانِ شباب میں ان سے بیعت کی تھی) آپ بھی اسی گھر سے سند لیتے تھے [۲]۔ حضرت سید آل رسول (۱۲۹۶ھ) نے اپنے صاحبزادے سید ابوالحسین احمد نوری کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتابوں کی سند دی تھی۔

آپ نے اپنے صاحبزادے سید ابوالحسین نوری کو ۱۲۶۷ھ میں اجازت سلاسل قرآن کریم صحاح ستہ و مصنفات شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی مرحمت فرمائی [۳]

---

[۱] طوالع الانوار ص۱۹ مطبوعہ صبح صادق پریس سیتاپور [۲] انوار العارفین ص۴۷، صدیقی پریس بریلی مطبوعہ ۱۲۸۶ھ [۳] مدائح حضور پُرنور جلد ۲ ص۱۱۹

یہ سید ابو الحسین نوری، جناب احمد رضا خاں کے پیر تھے۔ آپ نے حدائق بخشش[۱] میں ان سے بڑی عقیدت کا اظہار کیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا خاندان پورے ہندوستان میں علم اسلام کا مرکز تھا۔ مولانا نعیم الدین مرادآبادی تسلیم کرتے ہیں :

" شاہ ولی اللہ کے خاندان کا ہندوستان کے طول و عرض میں کافی اثر تھا مسلمان اس خاندان کے ارادت مند و معتقد تھے[۲]

انگریز اس خاندان کے اثر کو ملکی سطح پر کم کرنا چاہتے تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ کہ غلام ہندوستان دار الحرب ہے انگریزوں کے خلاف نہایت مؤثر آواز تھی دوسری طرف شیعہ فرقہ اس خاندان کے سخت خلاف تھا، حضرت شاہ ولی اللہ کی کتاب ازالۃ الخفاء اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی تحفہ اثنا عشریہ اس نئے دور میں اہل السنۃ والجماعت کے نہایت مضبوط قلعے تھے جنہوں نے عقائد اہل السنۃ کو نئے سرے سے جلا اور توانائی بخشی تھی اپنے پرائے سب اس خاندان کی علمی عظمت کے قائل تھے شیعہ اور انگریزوں کے سوا کوئی نہ تھا جو اس خاندان کا دم نہ بھرتا ہو اور فقہ و حدیث میں حق و باطل اور کھرے کھوٹے کی پہچان پورے ہندوستان میں اسی خاندان کی رہین احسان تھی۔

مولوی فضل الرسول بدایونی نے گو اس خاندان کے خلاف آواز اٹھائی لیکن وہ بھی اہل السنۃ کے دو محاذ نہ بنا سکے، آخرت کا یہ بوجھ مولوی احمد رضا خاں کی قسمت میں تھا اور ابھی تک ان کا دور نہ آیا تھا۔

اُس وقت مسلمانوں میں پورا دینی اتحاد تھا۔ اہل سنت مسلمانوں میں باہمی تفریق نہ تھی سب مسلمان محدثین دہلیؒ کے اس علمی اقتدار سے سند لیتے تھے

مسلمانوں کے سیاسی اقتدار پر قبضہ

انگریز تاجر بن کر ہندوستان میں داخل ہوئے اور رفتہ رفتہ یہاں کی سیاسی قوت بن گئے

---

[۱] حدائق بخشش حصہ اول ص۵۲ حصہ دوم ص۵۲ [۲] اطیب البیان ص۱۱

آپس میں لڑا دینا ان کی شاطرانہ سیاست تھی اور آپس میں لڑ پڑنا یہ اُمراء کی حماقت تھی، انگریزوں نے اس ہُنر سے پورا فائدہ اُٹھایا اور مسلمانوں کے سیاسی اقتدار پر قبضہ جما گئے۔ اس ناجائز قبضہ کے خلاف دینی احساسات اُبھر سکتے تھے ان سے بچنے کے لیے محدثینِ دہلی کے مرکزی اعتماد کو توڑنا ضروری تھا۔ جن لوگوں نے مسلمانوں کے اس مرکزی اعتماد کو ٹھیس پہنچائی اور انگریزوں کو خوش کرنے کے لیے ہندوستان کو دارالاسلام ٹھہرایا۔ انہوں نے شاہ عبدالعزیزؒ کے دارالحرب کے فتوے کو غلط قرار دیا اور مولانا اسمٰعیل شہید کی تحریکِ جہاد کی مخالفت کی۔ یہاں تک کہ مسلمانوں میں برابر کے دو محاذ قائم کر دیے، انھوں نے مسلمانوں کی کوئی خدمت نہیں کی خود اسلام پر بڑا ظلم کیا کہ اس میں تفریق کی ایک شاہراہ قائم کر دی۔

مسلمانوں کے علمی اقتدار پر حملہ

قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے دَور میں مسلمانوں کا سیاسی اقتدار تو چھن چکا تھا لیکن علمی اقتدار پھر بھی قائم تھا جب حضرت شاہ صاحبؒ نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تو انگریزوں نے اسی وقت مسلمانوں کے اس علمی اقتدار پر چلنے کا فیصلہ کر لیا تاہم اس کیلئے مہلت درکار تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی عظیم شخصیت کے سامنے کسی پیر یا مولوی کا چراغ نہ جل سکتا تھا البتہ ان کی وفات کے بعد ان علماء حق کے مقابلے میں کچھ وظیفہ خوار مولوی اور پیر کھڑے کر دیے گئے۔ علماء کے اس دوسرے قافلے کے سالار مولوی فضل رسول بدایونی تھے لیکن پھر بھی مسلمانوں میں ابھی تک برابر کے دو محاذ نہ بنے تھے۔ دیوبندی اور بریلوی ناموں کے جو اختلافات آج امت کے سامنے ہیں وہ ان دنوں کہیں ظاہر نہ تھے۔

مولوی فضل رسول بدایونی (۱۲۷۲ھ، ۱۸۵۶ء) —— آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اس خاندان کی مخالفت کی۔ آپ کے ایک عزیز یعقوب حسین بدایونی نے

اکمل التاریخ میں آپ کے سوانح حیات قلمبند کیے ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سرکار انگریزی کے ملازم تھے اور آپ کو انگریزوں کی زیرِ اثر بعض دیسی ریاستوں سے کچھ وظائف بھی ملتے تھے آپ کے ذمے یہ کام تھا کہ جس طرح بھی بن پڑے محدثین دہلی کے مرکزی اقتدار کو ختم کیا جائے اور مسلمان جس طرح سیاسی طور پر طوائف الملوکی (ANARCHY) کا شکار ہیں دینی طور پر بھی مختلف گروہوں میں بٹ جائیں۔

آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مسلمانوں کے اقتدارِ علمی پر حملہ کیا۔ حضرت شاہ اسمٰعیلؒ اور حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ تو ایک طرف رہے آپ نے حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی پر بھی اپنے رنگین ہاتھ صاف کیے اور پوری کوشش کی کہ مسلمانوں کی اس شوکتِ علمی کو تاراج کیا جائے جو ہندوستان کے مسلمانوں کا سیاسی زوال کے اس دور میں واحد دینی سہارا تھی۔

مولوی فضل رسول بدایونی اپنی کتاب البوارق المحمدیہ لرجم الشیاطین النجدیہ میں بڑی بحث کے بعد لکھتے ہیں:

"الحاصل شاہ ولی اللہ صاحب آنچہ نوشتہ اند مخالف اہل السنۃ والجماعۃ است و اولاد امجاد شاہ ولی اللہ کہ ایں گونہ تصنیفات را ذائع و شائع نساختند در پردہ کتمان داشتند گویا پردہ بر بے پردگیہائے والد ماجد خود انداختند مولوی محمد اسمٰعیل زمانہ را فارغ از حکومت اسلام و خالی از علماء اعلام یافتہ حدتِ جبلی را غلغلہ بلند آواز ساختہ آں انگر افسردہ زیر خاکستر را مشتعل نمود"

ترجمہ: شاہ ولی اللہ صاحب نے جو لکھا ہے وہ اہل السنت والجماعت کے خلاف ہے اور آپ کے لڑکوں نے جو آپ کی اس قسم کی کتابوں کو شائع اور عام نہیں کیا اور پردہ کتمان میں رکھا تو گویا اپنے باپ کی بے پردگیوں پر پردہ ڈالے رہے۔ مولوی اسمٰعیل نے وقت کو اسلامی حکومت سے فارغ دیکھا اور بڑے علماء سے خالی پایا تو طبعی تیزی

کو اور تیز کر کے اس چنگاری کو جو خاک تلے بھی دبی پڑی تھی، بھڑکا دیا۔[۱]

اس وقت یہ بحث نہیں کہ مولوی فضل رسول بدایونی اس علم و استدلال میں کن غلطیوں کے مرتکب ہوئے، اس وقت ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ مولوی صاحب کس طرح ایک ہی حملے میں حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ عبدالقادر، حضرت شاہ رفیع الدین، حضرت شاہ محمد اسحٰق اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی کریم شخصیتوں کو مجروح کر گئے۔ محدثین دہلی کے مرکزی اعتماد پر یہ پہلی ضرب تھی۔ مولوی فضل رسول صاحب نے ان حضرات محدثین پر تقیہ کی تہمت بھی لگائی حالانکہ یہ حضرات خود اہل تقیہ کے خلاف تھے اور صحابہ کرامؓ کی حمایت میں ایک عرصہ سے کام کر رہے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی کتابیں "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" اور "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" جن کے موضوع خود ان کتابوں کے ناموں سے ظاہر ہیں، ان کتابوں پر علمی اعتراضات کیے اور عبارات کو کھینچ تان کر ان کی ایسی تشریحات کیں جن سے انتشار بڑھے، مسلمان دینی نقطۂ اعتبار سے یکجا نہ رہیں اور ان کا مرکز دہلی ٹوٹتا چلا جائے۔ ان بدایونی صاحب نے حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ کی کتاب مأۃ مسائل کا رد بھی لکھا اور تصحیح المسائل در تردید مسائل نجدیہ اراذل جیسی کتابیں تصنیف کیں، بہت سے واقعات بھی تصنیف کیے اور دہلی کے اس مرکز علمی کو بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اسی خاندانِ دہلی کے ایک فرد تھے۔ ان کتابوں کے نام اور ان کے سلگتے عنوان خود بتا رہے ہیں کہ بدایونی صاحب کس قسم کا ذہن پیدا کرنا چاہتے تھے اور کس زبان میں بول رہے تھے، یہ حالات اور یہ اندازِ عمل بتا رہے ہیں کہ مسلمانوں میں تفرقہ پھیلانے کی ان کوششوں کے پیچھے یقیناً غیر ملکی ہاتھ تھا، افسوس غیروں پر نہیں ان لوگوں پر ہے جو اُن کے آلۂ کار بنے پھر جب یہ کارروائی دین کے نام پر ہو تو بات اور بھی بُری ہے یہ سب سازشیں صرف اسلام کے خلاف تھیں۔ غیر ملکی

۱۔ البوارق ص ۴۱ مولانا کے حالات کیلئے دیکھیے اکمل التاریخ جلد ۲ ص ۳۷ سے ص ۳۸

حکومت تھی۔ مسلمانوں میں تو تفرقہ پھیلایا جا رہا تھا اور ہندوؤں کو خوش کرنے کے سامان فراہم کیے جا رہے تھے۔ مولوی فضل رسول بدایونی نے یہاں تک فتویٰ دیدیا کہ عبادت کیلئے بت بنانا کفر نہیں ہے[1]

مولوی احمد رضا خاں بریلوی صاحب (۱۳۴۰ھ)

مولوی فضل رسول بدایونی کے بعد ان کے جانشین اختلاف کی اس لکیر کو پیٹتے رہے یہاں تک کہ پھر یہ خدمت مولوی احمد رضا خاں صاحب کے سپرد ہوئی، ان کی بھی پوری کوشش تھی کہ جس طرح بھی بن آئے مسلمانان ہند کا اعتماد ان محدثین دہلی سے اٹھا دیا جائے اور دہلی کے اس علمی خاندان کو اس طرح بدنام کیا جائے کہ مسلمان پھر ایک جھنڈے کے نیچے کبھی جمع نہ ہوسکیں۔

انگریز ہندوستان میں (DIVIDE AND RULE) تفریق ڈالو اور حکومت کرو۔ کی پالیسی لے کر آئے تھے اور ان کی کامیابی کا راز اسی تفرقہ بازی میں مضمر تھا۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے نہ صرف یہ کام کیا کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے خلاف رسالے لکھے، دہلی کے اس مرکز علمی کو بدنام کیا بلکہ تفریق بین المسلمین کے اس محاذ پر اپنی زندگی کے پچاس سال لگادیے۔ ملت اسلامی کا کوئی خیر خواہ اس پر افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انھوں نے اپنی زندگی آخر کس کام پر لگائی۔ آپ کے ایک معتقد قاری احمد پیلی بھیتی سوانح اعلیٰحضرت کے مقدمے (کلام اوّل) میں لکھتے ہیں:

> "۱۲۹۷ھ میں مولانا شاہ احمد رضا خاں نے قلم اٹھایا، کثرت سے کتابیں لکھیں، فتوے صادر کیے، حرمین شریفین کے سفر میں مشاہیر علماء حرمین سے علماء دیوبند کی تحریروں کے خلاف تصدیقات حاصل کیں جن کو حسام الحرمین کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا۔ مولانا احمد رضا خاں پچاس[2] سال مسلسل اسی جدوجہد

---

[1] فتوے مولانا فضل رسول بدایونی مطبوعہ مفید الخلائق پریس شاہجہاں آباد ص۱۷ طبع ۱۲۲۸ھ

[2] ۱۲۹۷ھ سے ۱۳۴۰ھ تک ۴۳ سال بنتے ہیں معلوم ہوتا ہے یہ قاری جی حساب نہیں جانتے تھے۔

میں منہمک رہے یہاں تک کہ مستقل دو مکتبہ فکر قائم ہو گئے ۔ بریلوی اور دیوبندی ۔۔۔ دونوں جماعتوں کے علماء اور عوام کے درمیان تخالف و تصادم کا یہ سلسلہ آج بھی بند نہیں ہوا ہے ۔ [1]

ایک غیر جانبدار شخص جب اس عبارت سے گزرتا ہے تو اس کے ذہن میں چند سوال ضرور اُبھرتے ہیں ، وہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے علماء دیوبند کی عبارات میں اگر کوئی غلطی دیکھی تھی تو پہلے خود ان علماء سے ہی استفسار کیوں نہ کیا ؟ اُن سے وضاحت کیوں نہ پوچھی ؟ سیدھے حرمین کیوں پہنچے ؟ اور یہ اردو عبارات ان لوگوں کے سامنے کیوں رکھیں جو اردو نہ جانتے تھے ؟ اور جو عربی ترجمہ کیا وہ خود کیوں کیا ؟ کسی غیر جانبدار ترجمان سے کیوں نہ کرایا ؟ اور پھر جن علماء پر غلط عقائد کے الزامات لگائے جارہے تھے اُنھیں صفائی کا موقع کیوں نہ دیا گیا ؟ اور پھر یہ ساری کارروائی یکطرفہ کیوں کی جا رہی تھی ؟ اور پھر اس تفرقے کی تشہیر اور تفریق بین المسلمین کی توثیق (Confirmation) اور تائید آخر اتنا بڑا کارنامہ کیوں تھا کہ اس پر زندگی کے پچاس سال لگا دیے جاویں اور پھر جب علماء دیوبند کی طرف سے ان عبارات کی تشریح کی گئی اور ان عقائد سے بیزاری کا اظہار کیا گیا جو ان عبارات کے سہارے ان علماء کے ذمے لگائے گئے تھے تو اس صفائی کو چھپانے اور اس پر پردہ ڈال کر اس اختلاف کو بحال رکھنے میں آخر کون سی خدمت اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی تھی ؟ تفریق بین المسلمین کی اس کارروائی کے پیچھے اگر غیر ملکی ہاتھ نہ تھا تو اس تفریق پر اور ان الزامات پر احمد رضا خاں صاحب کو آخر اتنا اصرار کیوں تھا ؟

اس وقت ان سوالات کی وضاحت اور ان کے پیچھے کے عوامل زیر بحث نہیں ، یہاں ہم صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ مولوی فضل رسول بدایونی کے بعد تفریق بین المسلمین کی یہ خدمت مولوی احمد رضا خاں کے سپرد ہوئی اور جس طرح مولوی فضل رسول نے کہا تھا کہ عبادت کے لیے بُت بنانا کفر نہیں اسطرح

---

[1] سوانح اعلیحضرت ص ۸

مولوی احمد رضا خاں بھی ہندوؤں کو وہابیوں سے بہتر قرار دیتے تھے آپ نے نکاح کے بارے میں ایک فتویٰ جاری فرمایا :

"نکاح نام باہمی ایجاب و قبول کا ہے اگرچہ بامن پڑھا دے . چونکہ وہابی سے پڑھوانے میں اس کی تعظیم ہوتی ہے جو حرام ہے لہٰذا احتراز لازم ہے[1]"

مولوی احمد رضا خاں نے تفریق بین المسلمین کے لیے جو شدت اختیار کی یہ بتارہی ہے کہ اس کے پیچھے کسی بڑے مسلم کش سیاسی ظالم کا ہاتھ تھا . مولوی صاحب کا ایک اور فتویٰ ملاحظہ کیجیے جو شخص وہابیہ دیوبندیہ کے کفر میں شک کرے اس کے بارے میں لکھتے ہیں :

" بلاشبہ اس سے دور بھاگنا اور اسے اپنے سے دور کرنا ، اس سے بغض اس کی اہانت ، اس کا رد فرض ہے اور توقیر حرام و ہدم اسلام ، اسے سلام کرنا حرام ، اس کے پاس بیٹھنا حرام ، اس کے ساتھ کھانا پینا حرام ، اس کے ساتھ شادی بیاہ حرام ، اور قربت زنا خالص اور بیمار پڑے تو پوچھنے جانا حرام ، مر جائے تو اس کے جنازے میں شرکت ملا اسے مسلمانوں کا سا غسل و کفن دینا حرام ، اس پر نماز جنازہ حرام بلکہ کفر ، اس کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھانا ، اس کے جنازے کی مشایعت حرام . اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا حرام ، اس کی قبر پر کھڑا ہونا حرام . اس کے لیے دعائے مغفرت یا ایصال ثواب حرام بلکہ کفر[2]"

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے یہاں گیارہ دفعہ لفظ حرام کی گردان کی ہے ، آپ اس عدد سے ایک مسئلہ ثابت کر رہے تھے افسوس انہوں نے یہ نہ سوچا کہ خود انکے حلقہ عقیدت کے بھی کتنے لوگ ہونگے جو ان حرام کاموں سے نہ بچ سکیں گے .

مولوی فضل رسول بدایونی حضرت شاہ عبدالعزیز کے قریب العہد ہونے کی وجہ سے

---

[1] احکام شریعت مولانا احمد رضا خان حصہ دوم ص ۲۲۵ [2] عرفان شریعت ص ۳۹

اہل السنۃ والجماعۃ مسلمانوں کے دو محاذ نہ بنا سکے تھے۔ ابھی اس خاندان کی علمی عظمت اور مرکزی حیثیت پوری طرح قائم تھی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا ان بزرگوں کی یاد کمزور پڑتی گئی اور پھر وقت آیا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب (۱۳۴۰ھ) بقول جناب قاری احمد پیلی بھیتی مسلمانوں کے دو محاذ بنانے کے اس مقصد کو پورا کر گئے۔ قاری جی لکھتے ہیں:

مولانا احمد رضا خاں پچاس سال مسلسل اسی جدوجہد میں منہمک رہے یہاں تک کہ مستقل دو مکتبہ فکر قائم ہو گئے [۱]

تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کو کافر کہنے کی جرأت مولوی احمد رضا خاں صاحب کو بھی [۲] نہ ہوئی کیونکہ ابھی تک اس علمی خاندان کا غلغلہ باقی تھا، پورے ہندوستان میں قرآن و حدیث کے ایوان ابھی تک اسی خاندان کے نام سے گونجتے تھے اور مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی یادیں کسی نہ کسی درجے میں لوگوں کے دلوں میں محفوظ تھیں۔ دارالحدیث دہلی کے فیض یافتگان جب دیوبند منتقل ہوئے تو مولانا احمد رضا خاں کی زبانِ تکفیر پھر ان کے خلاف خوب کھلی اور ایسی کھلی کہ اب تک یہ مشق جاری ہے۔ جو مولوی صاحبان اس تکفیر کی مشق کرنے والے ہیں وہ اس کام کا مولوی احمد رضا خاں صاحب کو مجدد سمجھتے ہیں اور اُن کے نام سے یہ فتنۂ تکفیر ہر جگہ سُنّی مسلمانوں کو دو ٹکڑے کیے ہوئے ہے اور حق یہ ہے کہ دونوں فریق اصولاً اہل السنۃ تھے۔ بھیرہ (ضلع سرگودھا) کے پیر کرم شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"اس باہمی اور داخلی انتشار کا سبب ملک کا پہلو اہل السنۃ والجماعۃ کا آپس میں اختلاف ہے جس نے انھیں دو گروہوں میں بانٹ دیا ہے۔ دین کے اصولی مسائل میں دونوں متفق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید ذاتی اور صفاتی، حضور نبی کریمؐ کی رسالت اور ختم نبوت، قرآن کریم، قیامت اور دیگر ضروریات دین میں کلی موافقت ہے [۳] مولوی احمد رضا خاں علماء دیوبند کی تحریرات اگر علماء دیوبند کے سامنے ہی پیش کرتے

---

[۱] سوانح اعلیٰحضرت بریلوی ص۳ [۲] فرماتے ہیں: "علمائے محتاطین انھیں کافر نہ کہیں کیونکہ یہی صواب ہے" (تمہید ایمان ص۴۲) [۳] ضیاء القرآن جلد ا ص۱۳

اور آپس کے افہام و تفہیم سے بات حل ہو جاتی تو اُمت کے دو محاذ ہرگز نہ بنتے لیکن افسوس کہ مولوی صاحب نے خود مصنفین سے تو ان عبارات کا ذکر تک نہ کیا اور ان اُردو عبارات کو لے کر ہزاروں میل دور اُن لوگوں کے پاس پہنچے جو اُردو نہ جانتے تھے۔ اس صورتِ عمل سے پتہ چلتا ہے کہ اصل بات تحریرات کو حل کرنے کی نہ تھی اُمت کے دو محاذ بنانے مقصود تھے اور ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے والے خاندان کو بدنام کر کے ہندوستان کو دارالاسلام قرار دینے کی انگریزی خدمت مقصود تھی۔

ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کا فتویٰ

جس طرح قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے پوری جرأت ایمانی سے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی پوری جرأت برطانوی سے غلام ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیا اور اُنہی دنوں اعلیٰحضرت معروف ہوئے۔ آپ کا فتویٰ بھی سُنیئے:

"ہندوستان بفضلہٖ دارالاسلام ہے"[1]

اس وقت تفصیل کا موقع نہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے پیش نظر مسلمانوں کو آپس کے دو محاذوں میں ٹکرا کرنا تھا اور الزامات کی آڑ میں آخر یہ دو محاذ بن کر رہے اور مسلمان آپس میں اس طرح بٹے کہ مولانا احمد رضا خاں کو سمجھے بغیر ان کے پھر اکٹھے ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ یہ سب الزامات تو ان کی تردید بارہا ہو چکی ہے اور جو عقیدہ جس کے ذمے لگایا جائے وہی خود اس کا انکار کر دے تو اس الزام میں کیا جان رہ جاتی ہے۔ فتویٰ مذکور کے ٹائیٹل کا فوٹو آگے ملاحظہ کیجئے۔

محدثینِ دہلی کے نقشبندی سلسلے پر عتاب

محدثینِ دہلی کا بیعت و ارشاد کا سلسلہ زیادہ تر نقشبندی تھا۔ مشائخ نقشبندی شرک و بدعت

[1] احکام شریعت حصہ دوم ص ۱۵۱

از افادات عالیہ

امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلحضرت

عظیم البرکۃ قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مسمّٰی بنام تاریخی

اعلام الاعلام

بان

ہندوستان دار الاسلام

باہتمام

جناب مولانا مولوی محمد ابراہیم رضا خان

صاحب خلف اکبر حضرت اقدس نبیرۂ سجادۂ

آستانہ عالیہ رضویہ دامت

برکاتہم

بار اول ایکہزار جلد

قیمت فی جلد ۱ر

کے سخت خلاف تھے اس لیے مولوی احمد رضا خاں کو نقشبندی سلسلے کے بزرگ حضرت امام ربّانی سیدنا مجدّد الف ثانیؒ (۱۰۳۵ھ) سے کچھ کدسی تھی، انھوں نے جہاں کہیں آپ کا ذکر کیا ہے کہیں آپ کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ بھی نہیں لکھا وہ اُنھیں اپنے بزرگوں میں ہی تسلیم نہیں کرتے، ایک مقام پر لکھتے ہیں :

"کوئی مجدد دہی ان کے قول سے استدلال کرے اس کو وہ[1] جانے ہم ایسے شیخ کے غلام ہیں جس نے جو بتایا صحو (صحیح ہوش) سے بتایا، خدا کے زمانے سے کہا تمام جہاں کے شیوخ نے جو زبانی دعوے کیے ہیں[2] ظاہر کر دیا ہے کہ ہمارا سُکر (نشہ) ہے اور ایسی غلطیاں دو وجہ سے ہوتی ہیں، ناواقفی یا سُکر، سُکر تو یہی ہے"[3]

مولانا احمد رضا خاں پھر بڑے طنز سے اُنھیں خاندانِ دہلی کا بڑا لکھتے ہیں :-

تمام خاندانِ دہلی کے آقائے نعمت[4]

اس اندازِ کلام سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صرف مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے ہی خلاف نہ تھے۔ پورا خاندانِ دہلی ان کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا وہ ان کو ہی نہیں ان کے سب پیران و مشائخ کو بھی غیر آنکھ سے دیکھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس پورے خاندان سے علم و معرفت کے چشمے جاری تھے۔ توحید و سُنّت کی حمایت میں ان کا نقطۂ نظر ایک سا تھا، ان کی فکر و نظر میں

---

[1] گویا مجدد الف ثانیؒ آپ کے کچھ نہیں لگتے وہ جس کے ہیں وہ ان کو جانے معلوم نہیں مولانا احمد رضا خاں کو حضرت مجدد الف ثانی سے یہ بغض کیوں تھا۔

[2] کیا حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دعوے صرف زبانی جمع خرچ تھے اور کیا سب بے ہوشی کا نتیجہ تھے (معاذ اللہ) حضرت کی شان میں کس قدر گستاخی ہے۔

[3] ملفوظات مولوی احمد رضا خاں حصہ سوم ص۸۲ [4] الیاقوتۃ الواسطہ ص۱۷ الکوکبۃ الشہابیہ ص۴۱

سُنّت سے محبّت اور بدعت سے نفرت کا بیج مجدّد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی نے ہی بویا ہُوا تھا اور یہی نقشبندی شیوخ تھے جو ہندوستان میں شریعت کے چشمۂ صافی کے گرد پہرہ دے رہے تھے اور ایک ایک بدعت کا انکار کر رہے تھے۔ مولوی احمد رضا خاں کو اس لحاظ سے حضرت مجدّد الف ثانی کی شخصیت سے کوئی عقیدت نہ تھی اور یہ حق ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے ان اکابر دہلی کی مخالفت سے سُنّت کی خدمت نہیں کی بدعات کو فروغ دیا ہے۔

فقہ اور حدیث میں کھرے کھوٹے کی پہچان اور کتاب و سُنّت کی صحیح تعبیر ان دنوں ہندوستان میں ان محدثین دہلی سے وابستہ تھی۔ اس خاندان کی مخالفت شاہراہِ اسلام سے بغاوت اور انتشار کی طرف ایک نیا قدم تھا۔ مولانا حالی سرزمینِ محدثین کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں :

اے جہاں آباد اے اسلام کے دار العلوم   اے کہ تھی علم و ہنر کی تیرے اک عالم میں دھوم
تھے ہنرور تجھ میں اتنے جتنے گردوں پہ نجوم   تھا افاضہ تیرا جاری ہند سے تا شام و روم

زیب دیتا تھا لقب تجھ کو جہاں آباد کا
نام روشن تجھ سے تھا غرناطہ و بغداد کا

تیری طینت میں ودیعت تھا مذاقِ علم و دین   جیسے امی تجھ میں تھے عالم نہ تھے ایسے کہیں
ہند میں جو تھا محدث تھا وہ تیرا خوشہ چیں   تھی محدث خیز اے پائتخت تیری سرزمیں

تھا تفقہ بھی مسلم تیری خاک پاک کا
بیہقی وقت تھا اک اک فقیہ اس خاک کا

تھا ذونادر تھا تصوف میں کوئی تیرا نظیر   آب و گل کا تیرے تھا گویا تصوف سے خمیر
تیرے کھنڈروں میں پڑے سوتے ہیں وہ مہر منیر   تھا کبھی انوار کے جن کے زمانہ مستنیر

آج جس دولت کا بازار جہاں میں کال ہے
تیرا قبرستان اس دولت سے مالا مال ہے

محدثینِ دہلی کی صحیح یادگار

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اس خاندان کے مقبول چشم و چراغ، جلیل القدر عالم، بہت بڑے مجاہد اور نہایت اونچے درجے کے ولی تھے۔ آپ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے بھتیجے اور شاگرد تھے۔ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ کی پوتی اُمّ کلثوم بنت عبد الرحمٰن آپ کے نکاح میں تھیں۔ یہ اُمّ کلثوم حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ کی نواسی تھیں۔ مولوی فضل رسول بدایونی یا مولوی احمد رضا خاں کی مخالفت سے اس آستانۂ عقیدت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ مولوی اسمٰعیل شہیدؒ میں عقیدے یا عقیدت کا کوئی فرق ہوتا تو پہلے قطب الارشاد حضرت شاہ صاحبؒ، ان کے برادرانِ عالی مرتبت اور ان کے جانشین مسندِ دہلی حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ اس کا نوٹس لیتے۔ کیا وجہ کہ ان علماء کرام اور محدثینِ عظام کو تو ان میں کوئی غلطی نظر نہ آئی اور اس کا پتہ چلا تو صرف مولوی فضل رسول بدایونی کو جو خود انگریزوں کے ہاں ملازم تھے۔

دہلی مرحوم کے بعد دہلی کے روشن چراغ اطراف واکناف میں پھیلے شاہ اسمٰعیل شہید ہوئے اور شاہ محمد اسحٰق حجاز ہجرت کر گئے مدرسہ رحیمیہ کچھ وقت تک حضرت شاہ عبد الغنی مجددی کی قال اللہ اور قال الرسول کی صداؤں سے گونجتا رہا۔ ان کے بعد علمِ حدیث کی میراث دار العلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور پہنچی دہلی میں اس کے آثار مدرسہ امینیہ میں منتقل ہوئے اور پھر ڈابھیل اور ندوۃ العلماء تک یہ فیض پھیلتا گیا۔ محدثینِ دہلی کی عظمت علمی اب بھی پوری آب و تاب سے قائم تھی اور ہر معروف مدرسہ انہی کے نام سے سند لیتا تھا۔

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اپنے اکابر اور دیگر مشاہیر ہند کی نظر میں

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اپنے علم و اعتقاد میں اپنے چچاؤں اور دادا سے سرمو متجاوز نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مولوی فضل رسول نے جب حضرت شہیدؒ کے نظریات پر تنقید کی تو انھیں ان

کے دادا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو بھی اس میں شامل کرنا پڑا اور حضرت شہیدؒ کے ساتھی حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ کے خلاف بھی سواد لکھنا پڑا اور یہ حقیقت ہے کہ یہ پورا خاندان مولوی احمد رضا خاں کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنے ایک مکتوب میں مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے لیے حجۃ الاسلام کا لفظ بھی استعمال کیا ہے[۱]۔ حضرت شہیدؒ آپ کی زندگی میں زبان و قلم سے دین کی خدمت شروع کر چکے تھے۔ تقویۃ الایمان بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی زندگی میں لکھی گئی تھی۔ اس کا ایک نسخہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی وفات سے چار ماہ پہلے کا کتابت شدہ ملا ہے۔ حضرت مولانا عبدالحئیؒ جن کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے تھے کہ میرا نصف علم ان کے پاس ہے۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے ہر وقت کے ساتھی تھے۔ دونوں حضرات مجاہد کبیر حضرت سید احمدؒ کے ارادتمند تھے۔ صراطِ مستقیم شیخ کے افادات ہیں جنھیں ان دونوں حضرات نے جمع کیا ہے۔

حضرت سید احمدؒ تحریک جہاد کے مرکز کی تلاش میں پہلے نواب امیر خاں کے پاس پہنچے تھے۔ نواب صاحب کے آبا، سرحد کے قبیلہ سالار زئی سے تعلق رکھتے تھے۔ نواب امیر خاں اپنے وقت میں راجپوتانہ کی ایک بڑی طاقت تھا اس نے انگریزوں کی ماتحتی قبول نہ کی تھی لیکن وہ انگریزوں کی چالوں کو اچھی طرح نہ سمجھ پایا یہاں تک کہ ۱۸۱۷ء میں اس کے حلیف سب ایک ایک کرکے ٹوٹ گئے اور انگریزی فوجوں نے تین مختلف رستوں سے وسطِ ہند کی طرف بڑھنا شروع کیا اور آخر کار نواب کو انگریزوں سے صلح کرنی پڑی۔ حضرت سید احمدؒ اس سے مایوس ہو گئے اور اسی وقت جے پور چلے گئے وہ جس امید پر نواب کے پاس آئے تھے وہ پوری ہوتی نظر نہ آئی اور آپ نے نواب سے

---

[۱] یہ خط کتب خانہ دیوان شمس الدین ریاست جبلپور میں موجود ہے اس کی سند رسالہ ہدایت ماہ محرم ۱۳۰۹ھ مطبوعہ مراد آباد میں بھی ملتی ہے۔ مزید تحقیق کے لیے حضرت مولانا ابوالحسن ندوی کی کتاب سیرت سید احمد شہیدؒ جلد اوّل صفحہ ۲۱۸ سے ۲۲۰ تک دیکھیے

اپنا تعلق توڑ لیا۔ یہاں سے آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ کو جو خط لکھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ ان کی برابر سرپرستی فرما رہے تھے اور یہ حضرات اپنے علم و اعتقاد اور فکر و نظر میں بالکل حضرت شاہ صاحبؒ کے طریقے پر چل رہے تھے۔ سیّد صاحبؒ نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں لکھا تھا:

"یہ خاکسار سراپا انکسار حضرت کی قدم بوسی میں عنقریب حاضر ہوتا ہے یہاں لشکر کا کارخانہ درہم برہم ہو گیا ہے، نواب صاحب فرنگی سے مل گئے اب یہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں" [1]

اس کے بعد آپ دہلی چلے گئے ان واقعات سے واضح پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور اپنے دوسرے بزرگوں سے سرمو ہٹے ہوئے نہ تھے۔ یہ انگریزوں کی چال تھی جس نے مولوی فضل رسول بدایونی سے ان کے خلاف پراپگنڈہ شروع کرا دیا اور مجاہدین کو ہر طرف سے بدنام کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ، مولانا عبدالحئی اور حضرت سیّد احمدؒ کچھ بھی اپنے بزرگوں سے ہٹے ہوئے ہوتے تو سب سے پہلے حضرت شاہ صاحبؒ ان پر گرفت کرتے۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ آخر دم تک اپنے آپ کو اس خاندان کا رکن رکین اور ایک ذمہ دار فرد سمجھتے تھے۔ آپ نے ۱۹ ربیع الثانی ۱۲۴۵ھ کو یہ خط علماء پشاور کے نام اپنے شیخ کے حکم سے لکھا:

"ایں فقیر و خاندان فقیر در بلاد ہندوستان گمنام نیست الوف الوف انام از خواص و عوام ایں فقیر و اسلاف ایں فقیر را مے دانند کہ مذہب ایں فقیر اباً عن جدٍ حنفی است" [2]

(ترجمہ) یہ فقیر اور اس کا خاندان ہندوستان میں غیر معروف نہیں۔ خاص و عام کروڑوں لوگ اس فقیر کو اور اس کے خاندان کو جانتے ہیں کہ یہ فقیر

---

[1] وقائع احمدی ص۳۱ نواب وزیرالدولہ [2] مکاتیب سید احمد شہید ص۱۱۶

خاندانی طور پر حنفی ہے [1]

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے متعلق اُس وقت کے دیگر اہلِ علم کی آرا گرامی بھی سُنیے اور پھر ستم کشوں کی ستم گری پر سر دُھنیے ان کی کتابوں کی جو سمجھ مولوی فضل رسول اور مولوی احمد رضا خاں کو مدتوں بعد آئی وہ ان علماء اعلام اور اکابر وقت کو کیوں نہ آسکی۔ حق یہ ہے کہ ان کی عبارات میں کھینچاتانی غلط تعبیر اور ہیر پھیر کی یہ منظم تحریک بہت بعد کی ہے۔ حضرت شہیدؒ کے زمانے کے ممتاز اہلِ علم سب ان کے ساتھ تھے اور کسی کو ان سے کفر و اسلام کا اختلاف نہ تھا۔

صدر الصدور مولوی عبدالقادر رامپوری (۱۲۶۵ھ) لکھتے ہیں:

دہلی میں مولوی اسمٰعیل خلف مولوی عبدالغنی خلف شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جو حُسنِ بیان قوتِ استنباط اور تیزی ذہن میں اس زمانہ میں اپنے دادا اور چچاؤں کی یادگار تھے۔ مخلوق کو ان بدعات سے روکنے پر جو مستحبات بلکہ واجبات میں مخلوط ہوگئی ہیں، ہمت باندھ رکھی تھی۔ جمعہ کے دن جامع مسجد میں اور دوسرے دنوں اس قسم کے مجمعوں میں بیان کرتے تھے [2]

صدر الصدور دہلی مفتی صدر الدینؒ (۱۲۸۵ھ) کی رائے

تقویۃ الایمان کو نظر اجمالی سے دیکھا ہے باعتبار اصول اور اصل مقصود کے بہت خوب ہے اور مولوی اسمٰعیل صاحب کو ایسا دیکھا کہ پھر کسی کو ایسا نہ دیکھا۔ یہ لوگ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے پارہ ۴ سورۃ آلِ عمران ع ۹ میں فرمایا ہے۔ الذین قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم ایماناً وقالوا حسبنا الله۔

---

[1] یہ خط حضرت سید احمد بریلویؒ کا ہے مگر مضموناً یہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کو بھی شامل ہے۔

[2] وقائع عبدالقادر خانی، اردو ترجمہ، علم و عمل جلد ۲ صـ ۲۳۳

مفتی سعد اللہ صاحب رامپوری

" مولانا محمد اسمٰعیل مغفور عالم ربانی و مصدر فیوض یزدانی بودند و قوت نظریہ از علوم نقلیہ و عقلیہ بآں مرتبہ داشتند کہ زبان ناطقہ مشاہیر علماء عصر در جنب تقریر ایشاں لال بود و حاسدین اہل علم را رو بروئے ایشاں بجز سرمہ خاموشی در گلو حرف زدن محال مے نمود "

ترجمہ: " مولانا محمد اسمٰعیل ایک مغفرت یافتہ عالم ربانی اور رب العزت کے فیوض کا چشمہ تھے۔ علوم نقلیہ اور عقلیہ میں ایسی بلند مرتبہ قوت نظریہ رکھتے تھے کہ مشاہیر علماء عصر کی زبان ان کی تقریر کے سامنے گنگ تھی اور حسد کرنے والے اہل علم کو ان کے سامنے سرمہ خاموشی کے سوا گلے سے بات تک نکالنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔"

حضرت مفتی صدر الدین صاحب اور حضرت مفتی سعد اللہ صاحب رامپوری دونوں حضرات شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ کے شاگرد تھے۔ انوار ساطعہ کے مصنف مولوی عبد السمیع رامپوری ان حضرات کی بہت تعریف کرتے ہیں، ان حضرات کے یہ فتاوٰے ایک صدی سے شائع ہو رہے ہیں ان پر غور کرنے اور ان علماء عصر کی اس قسم کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کی کتابوں کے متعلق اس پہلے دور کے اکابر اہل علم کی رائے بہت اچھی تھی اور یہ الزام تراشی اور بہتان بندی بہت بعد کی ایجاد ہے۔ یہ ایک سازش تھی جس کا مقصد اہل السنۃ مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا تھا اور نادان مولوی آج تک اس لکیر کو پیٹتے چلے جا رہے ہیں۔

مولانا فضل حق خیر آبادیؒ

مولانا فضل حق خیر آبادیؒ نے ایک دو علمی باتوں میں حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ سے اختلاف کیا تھا لیکن یہ اختلاف کسی الزام پر مبنی نہ تھا نہ اس میں مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کو کافر یا گمراہ قرار دینے

کی کوئی تجویز تھی۔ تاہم مولانا خیر آبادی بہت سعادتمند تھے کہ انھوں نے مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی مخالفت سے رجوع کر لیا تھا۔ آپ نے جب معرکہ بالاکوٹ میں مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی شہادت کی خبر سُنی

تو فرمایا : "اسمٰعیل کو ہم مولوی (ہی) نہیں مانتے تھے بلکہ وہ اُمتِ محمدیہ کا حکیم تھا کوئی شے نہ تھی جس کی انیّت اور لمّیت اس کے ذہن میں نہ ہو۔ امام رازی نے اگر حاصل کیا تو دود چراغ کھاکر (رات کو چراغ کی روشنی میں محنت کر کر کے) اور اسمٰعیل نے محض اپنی قابلیت اور استعدادِ خداداد سے"۔ [۱]

مجھ سے سخت غلطی ہوئی کہ میں نے مولوی اسمٰعیل صاحب کی مخالفت کی، وہ بے شک حق پر تھے اور میں غلطی پر تھا، مجھ پر جو مصیبت پڑی یہ میرے اپنی اعمال کی سزا ہے، میری مولوی اسمٰعیل سے دوستی تھی، میں بھی اُن کے ساتھ شہید ہوتا مگر کیا کیا جائے، بدایوں والوں نے اُبھار کران سے بھڑا دیا"۔ [۲]

مولانا فضل حق خیر آبادی جب مخالف بھی تھے تو اُن کے شاگرد حضرت مولانا سراج الدین لکھنوی وغیرہ سب مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے ساتھ تھے اپنے استاد کے ساتھ نہ تھے، اس سے مولانا خیر آبادی کے اختلاف کا وزن آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ مولانا سراج الدین نے اس بحث میں مولانا خیر آبادی کے خلاف ایک رسالہ بھی لکھا تھا دیکھئے۔ نزہتہ الخواطر جلد ، ص ۱۹۷

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے بارے میں مولانا فضل حق خیر آبادی کے بدلے مؤقف کی تائید مولانا کے صاحبزادے مولانا عبدالحق خیر آبادی کے بیان سے بھی ہوتی ہے آپ معقولات میں اپنے والد مرحوم کے جانشین تھے۔

کسی نے مولانا احمد رضا خاں صاحب کو مشورہ دیا کہ آپ بھی مولانا عبدالحق صاحب سے منطق کی کچھ کتابیں پڑھ لیں مولانا احمد رضا خاں صاحب کی مولانا عبدالحق سے جو گفتگو

---

[۱] الحیاۃ ص۱۱ [۲] امیر الروایات ص۱۶ روایت مولانا امیر شاہ خاں عن المفتی عنایت اللہ المرحوم

ہوئی اسے ہم المیزان کے احمد رضا نمبر سے نقل کرتے ہیں :

پوچھا بریلی میں آپ کا کیا شغل ہے ؟ فرمایا تدریس و تصنیف اور افتار
پوچھا کس فن میں تصنیف کرتے ہو ؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا جس مسئلہ
دینیہ میں ضرورت دیکھی اور رد وہابیہ میں۔ علامہ نے فرمایا آپ بھی
رد وہابیت کرتے ہیں ایک وہ ہمارا بدایونی خبطی ہے کہ ہر وقت اس
خبط میں مبتلا رہتا ہے یہ اشارہ تاج الفحول محب الرسول حضرت مولانا
شاہ عبدالقادر بدایونی کی طرف تھا جو علامہ کے استاد بھائی دوست
اور ساتھی تھے اعلحضرت آزردہ خاطر ہوئے [1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے بارے میں خیر آبادی حضرات کا وہ موقف نہ تھا جو بدایوں اور بریلی کے ان علماء نے اختیار کر رکھا تھا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی اپنے اختلاف کو ختم یا بالکل نرم کر چکے تھے اور وہ شدت جو بریلیوں نے ان کیخلاف اختیار کی اسے ایک خبط سمجھتے تھے۔

مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کی تحقیق میں مولانا خیر آبادی اور مولانا اسمٰعیل شہید میں جب اختلاف تھا تو بھی وہ محض اجتہادی قسم کا تھا ہدایت و ضلالت کا اختلاف نہ تھا نہ اس میں کفر و اسلام کے فاصلے قائم تھے پیر صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں

مسئلہ امتناع نظیر | اس مقام پر امکان یا امتناع نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم کے متعلق اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنا مقصود ہے نہ تصویب یا تغلیط کسی
کی فرقتین اسمٰعیلیہ و خیر آبادیہ میں سے شکر اللہ تعالیٰ سعیہم اتم الطلو
دونوں کو ماجور و مثاب جانتا ہے [2]

---

[1] المیزان احمد رضا نمبر ۳۳ [2] ضمیمہ رسالہ عجالہ بر رسالہ و فتاویٰ مہریہ ص ۱۵

مولانا رشید الدین کی مخالفت

مولانا رشید الدین صاحب کی مخالفت بھی بوسہ قبر وغیرہ جیسے چند مسائل سے متعلق تھی اور اس اختلاف میں کفر و اسلام کے فاصلے ہرگز نہ تھے۔ نہ کوئی فریق کسی فریق کے کفر و الحاد کا قائل تھا مولانا رشید الدین کے صاحبزادے مولانا سدید الدین کا عظیم علمی کتب خانہ جب ۱۸۵۷ء کے حادثات میں ضائع ہوگیا تو انھوں نے کہا:

"ہم کو اپنے کتب خانہ کے لُٹ جانے کا اس قدر افسوس نہیں جس قدر ان حواشی کے ضائع ہو جانے کا ہے جو مولانا شہیدؒ نے علمی کتابوں پر لکھے تھے، کیونکہ وہ کتابیں تو پھر بھی مل سکتی ہیں مگر ان حاشیوں کا اب ملنا محال ہے۔"[1]

یہ وہ خراجِ تحسین ہے جو حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنے سے اختلاف رکھنے والے علما کے جانشینوں سے وصول کیا۔ وہ حضرات سعادتمند تھے جنھوں نے اختلاف کے یہ فاصلے اپنے وقت میں اور بھی کم کر لیے تھے انکے مولانا اسمٰعیل شہیدؒ سے اختلافات کفر و اسلام کے اختلافات نہ تھے

حضرت علامہ مولانا حیدر علی رامپوریؒ

آپ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد تھے قائد تحریک حضرت سید احمد شہید نے اپنے حلقۂ عقیدت میں کیا روح پھونک رکھی تھی اسے ان کی زبان سے سنئے حضرت مولانا اسمٰعیل شہید اس حلقے کے رکن رکین تھے علامہ حیدر علی جیسی عظیم شخصیت کی ہمنوائی بتلا رہی ہے کہ ان مجاہدین کے عقائد کسی طرح صراطِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے نہ تھے حضرت مولانا حیدر علی لکھتے ہیں:

"ان کی ہدایت کا نور آفتاب کی مثل کمال زور اور شور کے ساتھ بلاد اور قلوب عباد میں منور ہوا۔ ہر ایک طرف سے سعیدان ازلی رخت سفر

---

[1] دیکھیے۔ الکمل البیان صد ۸۰۲

باندھ کر منزلوں سے آآ کے، شرک و بدعات وغیرہ منہیات سے کہ حسبِ عادت زمانہ خوگر ہو رہے تھے توبہ کر کے توحید و سنت کی راہ راست اختیار کرنے لگے اور اکثر ملکوں میں خلفاء راست کردار جناب موصوف نے سیر فرما کر لاکھوں آدمی کو دینِ محمدی کی راہِ راست بتادی، جن کو سمجھ تھی اور توفیقِ الٰہی نے ان کی دست گیری کی وہ اس راہ پر چلے۔"

اور ہزاروں خلیفہ جابجا مقرر ہوئے کہ ان سے ایک سلسلۂ بیعت و ارشاد و تلقین جاری ہے اور وہ لوگ جو نماز روزے سے بیزار اور بھنگ بوزے سے کاروبار رکھتے تھے، شراب اور تاڑی ان کے بدن کا خمیر ہو رہا تھا، برملا کہتے تھے کہ نماز کمپنی کا حکم نہیں اور نہ روزہ کونسل کا آئین۔ زکوٰۃ و حج کا پھر کیا ذکر ہے؟ شب و روز رشوت و زنا و مردم آزاری اور سود خوری میں مشغول رہتے تھے اور مرد و عورت مثل حیوانات بے نکاح باہم ہوتے اور سینکڑوں ولد الزنا ان سے پیدا ہوتے اور صدہا پیر و جوان نامختون نصاریٰ اور مشرکوں کے مثل تھے، محض حضرت کی تعلیم سے اپنے گناہوں سے توبہ کر کے نکاح اور ختنے کروائے۔ نیک پاک اور متقی ہو گئے۔ حضرت کے ہاتھ پر دس دس ہزار آدمی ایک ایک بار بیعت کرتے گئے اور بہت بہت ہنود اور رافضی اور جوگی اور اننت حضرت کے ارشاد و تلقین سے خالص مسلمان ہو گئے اور بعضے نصاریٰ اپنی قوم سے آکر خفیہ ایمان لے آئے پھر ہزارہا علماء نے بعد حصول بیعت و خلافت رہنمائی خلق اللہ اختیار کی بعضوں نے وعظ و نصیحت و ارشاد و تلقین کو عادت سی ٹھہرائی اور بعضوں نے آیاتِ قرآنی و احادیثِ صحیحہ کی کتابیں لکھیں اور رسالے اور ترجمے شائع کیے کہ جس میں ترغیب عبادات اور ترہیب گناہ ہی سے اپنے ملک کی زبان میں پیشہ اپنا کر کے

ہزاروں جُہلا، کو کہ سیدھا کلمہ بھی پڑھنا نہیں جانتے تھے، عالم بنا دیا اور بعضوں نے دونوں طریقے اختیار کیے"۔ [۱]

مولانا عبدالاحد جو اس پاک طینت قافلے کے بہت سے افراد سے ملے تھے اپنے تاثرات ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

"حضرت سید صاحبؒ کے ہاتھ پر چالیس ہزار سے زیادہ ہندو وغیرہ کفار مسلمان ہوئے، اور تیس لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور جو سلسلۂ بیعت آپ کے خلفاء کے خلفاء کے ذریعہ تمام روئے زمین پر جاری ہے۔ اس سلسلہ میں تو کروڑوں آدمی آپ کی بیعت میں داخل ہیں"۔ [۲]

مجاہد فی سبیل اللہ مولانا ولایت علی عظیم آبادی (م ۱۲۶۹ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"جس وقت دعوت کی آواز ملک ہندوستان میں بلند ہوئی، تمام ملک کے لوگ پروانوں کی طرح اس شمعِ ہدایت پر ہجوم کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک روز میں دس دس ہزار آدمیوں کی جماعت بیعت ہونے لگی، ان کا گروہ روز بروز بڑھتا گیا، اور ہزارہا انسان اپنا دین چھوڑ کر اسلام سے مشرف ہوئے اور ہزارہا لوگوں نے مذاہبِ باطلہ سے توبہ کی، پانچ چھ برس کے عرصہ میں ہندوستان کے تیس لاکھ آدمیوں نے حضرت سے بیعت کی اور سفر حج میں تقریباً لاکھ آدمی بیعت سے مشرف ہوئے، ان سب لوگوں میں ہزارہا عالم ہیں اور ہزارہا عاقل اور سینکڑوں حافظ ہیں اور سینکڑوں مفتی اور بہتیرے جہاندیدہ ہیں اور بہتیرے کارآزمودہ اس سے صاف ظاہر ہوا

---

[۱] صیانۃ الناس عن وسوسۃ الخناس از مولانا حیدر علی رامپوری مطبوعہ ۱۲۷۵ھ ص ۵۰۲ تا ۵۰۶۔ [۲] سوانح احمدی

کہ اللہ کے حضور میں اُن کی بڑی مقبولیت اور تائید ہے کہ تمامی خلائق کا دل ان کی طرف بے اختیار کھنچا جاتا ہے اور وہ بے اختیار ہو کر مرید ہوتے ہیں[1]

ملاءِ اعلیٰ کی یہ جذب صادق کس طرح سعادتمندوں کو اپنی طرف کھینچتی تھی اور ان کی زندگیوں کا رُخ کیسے بدل جاتا تھا اسے ان کے الفاظ میں پڑھیئے۔

"اس متبرک گروہ کا اثر دریافت کیا چاہیئے کہ جو شخص اعتقاد کے ساتھ اس گروہ میں داخل ہُوا اور اس نے بیعت کی۔ اسی وقت سے اس کو دُنیا سے نفرت اور آخرت کا خوف پیدا ہوتا ہے اور روز بروز یہ کیفیت بڑھتی جاتی ہے اور شرک و بدعت سے محض پاک ہو جاتا ہے اور اللہ کی محبت و عظمت شرع کی تعظیم و توقیر، نماز کا شوق سب اس کے دل میں جگہ پکڑتے ہیں، اللہ کے مخالف اس کو بُرے لگتے ہیں، اگرچہ باپ دادا ہوں، بیٹا بیٹی یا پیر اُستاد۔ دِل میں اللہ کا خوف کچھ ایسا آجاتا ہے کہ ان کی مروت ہرگز باقی نہیں رہتی اکثر لوگوں نے عمدہ نوکریاں چھوڑ دی ہیں۔ حرام پیشے ترک کر دیئے اور کتنے خانماں سے ہاتھ اُٹھا کر محض اللہ کے واسطے نکل پڑے، اور اس گروہ کے سبب ایک عالم نمازی ہُوا، بلکہ اس گروہ کو دیکھ کر گمراہ کرنے والے بھی اپنے معتقدوں کو نماز کی تلقین کرنے لگے کہ ہمارے لوگ کہیں ہم سے نہ پھر جائیں[2]

مولانا کرامت علی صاحب جونپوری (م سنہ ۱۲۹۰ھ) جو خود اپنے وقت کے ایک بڑے مصلح و داعی اور بنگال کے حق میں (جو عرصہ سے صحیح اسلامی زندگی اور اسلامی تعلیمات سے ناآشنا تھا) خدا کی رحمت اور تاثیر و ہدایت میں اس کی ایک نشانی تھے۔ اپنے رسالہ

---

[1] رسالہ دعوت مشمولہ مجموعہ رسائل تسعہ از مولانا ولایت علی عظیم آبادی ص ۶۵ [2] رسالہ دعوت از مولانا ولایت علی عظیم آبادی صادق پوری ص ۶۵۔

"مکاشفاتِ رحمت" میں سید صاحبؒ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ان کے اوصاف و کرامات لکھنے کی حاجت نہیں، تمام ملک میں مشہور ہیں۔ اس سے بڑھ کے کیا کرامات ہوں گی کہ اس ملک کے مردوں عورتوں میں نماز روزہ خوب جاری ہو گیا اور آگے ہندوستان کے پیرزادوں اور مولویوں سے لے کے عوام لوگوں تک کی عورتوں میں نماز کا چرچا بھی نہ تھا اور اب بالکل ہر قوم کی عورت مرد نماز میں مستعد ہو گئے ہیں، قرآن شریف کا صحیح اور باتجوید پڑھنا اور قرآن شریف کا حفظ خوب جاری ہو گیا ہے، اور حافظوں کی کثرت ہوئی ہے، یہاں تک کہ عوام لوگوں کی عورتیں حافظ ہوئیں اور دیہات اور شہروں میں لوگ حفظ کر رہے ہیں اور پرانی مسجدیں آباد ہوئیں اور نئی مسجدیں بننے لگیں۔ ہزاروں آدمی مکہ مدینہ کے حج اور زیارت سے مشرف ہوئے اور شرک اور بدعت اور کفر کی رسم اور خلافِ شرع کام سے لوگ باز آئے اور سب کو دین کی تلاش ہوئی اور دینی کتابیں جو نادر لو نایاب تھیں سو شہر گاؤں میں ہر کہیں گھر گھر پھیل گئیں اور حقیقت میں حضرت سید احمد صاحب اس زمانہ کے سارے مسلمانوں کے مرشد ہیں۔ کوئی سمجھے یا نہ سمجھے، جانے یا نہ جانے، مانے یا نہ مانے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے مجدد کیا ہے، اس کے طریقہ میں داخل ہونا دین میں مضبوطی کی نشانی ہے" [۱]

حضرت مولانا احمد الدین بگویؒ کی رائے گرامی

حضرت مولانا احمد الدین بگویؒ ۱۲۸۶ھ حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ کے شاگرد تھے مگر سند آپ کو حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے دی تھی۔ حضرت مولانا غلام محمد

[۱] "مکاشفاتِ رحمت" از مولانا کرامت علی جونپوری

بگوی آپ کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ کا مزار جامع مسجد بھیرہ ضلع سرگودھا میں ہے۔ آپ بگوی خاندان کے مورثِ اعلیٰ اور پنجاب کے علماء و مشائخ کے سرتاج تھے۔ حدائق الحنفیہ میں ہے۔

پنجاب میں کوئی صاحبِ علم ان کی شاگردی سے بے بہرہ نہ ہوگا کوئی بالذات کوئی بالواسطہ ان کے تلامذہ میں منتسب ہوگا۔ حدائق الحنفیہ ص۵۰۳

جناب اقبال احمد صاحب فاروقی نے تذکرہ اہل سنت والجماعۃ لاہور میں نہایت شاندار الفاظ میں آپ کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ آپ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے بہت معتقد تھے۔

حضرت مولانا احمد الدین بگویؒ (۱۲۸۶ھ) سے مختلف موضوعات پر دس سوال کئے گئے۔ آٹھواں سوال حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے بارے میں تھا۔ جوابات عشرہ کاملہ کے نام سے مطبع فخر المطابع دہلی نے ۱۲۷۲ھ میں شائع کئے تھے۔ آٹھواں سوال اور اسکا جواب ملاحظہ کیجئے۔

مسئلہ آٹھواں :- بعضے لوگ مولوی اسمٰعیل مرحوم کو کافر جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُس نے تقویت الایمان میں بعضے کلمے کفر کے کہے ہیں۔ یہ بات کس طرح ہے؟

جواب :- مسلمانوں کو کافر کہنا، ایک وجہ سے کفر ہے، اور ایک وجہ سے کبیرہ۔ چنانچہ تفصیل اُس کی کتبِ فقہ میں موجود ہے، چہ جائے ایسے مسلمان کو کافر کہنا کہ حافظ، عالم اور حرمین شریفین کی زیارت کرنے والا اور اللہ کی راہ میں اپنے وطن کو چھوڑنے والا، اور غازی اور اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے والا۔ چنانچہ مولوی اسمٰعیل کہ ظاہر حال میں دُنیا سے پاک و صاف ہوکے گیا، بموجب قول اللہ تعالیٰ : وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے، ان کو مُردہ نہ کہو، بلکہ زندہ ہیں، لیکن تم نہیں جانتے) ۔ اور تفسیروں میں لکھا ہے کہ شہید رزق دیے جاتے ہیں اور کھاتے ہیں، اور برخورداری اُٹھاتے ہیں مانند زندوں کے اور اُن کی ارواح ہر رات میں عرش کے نیچے سجدہ اور رکوع کرتی ہیں قیامت تلک۔ اور شہید کا جسم قبر میں بودا نہیں ہوتا، اور اُس کو آگ نہیں کھاتی، اور قیامت تلک جو شخص اُن

کو سلام کرے، اس کو جواب دیتے ہیں۔ اور سوائے اس کے بہت آیتیں اور حدیثیں شہیدوں کی تعریف میں ہیں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ حاجی اور مُہاجر کے پہلے گناہ سب دُور ہو جاتے ہیں۔ سو جو کوئی ایسے شخص عالم، فاضل، مُتبع سُنت کے حق میں بدظنی اور کُفر کا اعتقاد کرے، وہ آپ ہی اِس بلا میں مُبتلا، اور مُنکر ہے آیات اور احادیث کا۔ بلکہ کسی مُسلمان کی تکفیر درُست نہیں، خاص کر موت کے بعد۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ اُس نے کلماتِ کفر کے تقویۃ الایمان میں کہے ہیں، سو محض غلط ہے، اور بے سمجھی ہے، بلکہ اُس بزرگ نے کمال توحید کا بیان کیا ہے۔ اگر بنظرِ انصاف دیکھئے، اور جو کلام کسی بزرگ کی اپنے ذہن میں برخلافِ شرع معلوم ہو، اس کی تاویل صحیح کرنی چاہیئے، اور اسی طرح مشائخ کی کلام بھی تاویل طلب ہے، جیسے قول مولانا رُوم علیہ الرحمۃ کا شعر:

من ز قرآں مغز را برداشتم
استخواں پیشِ سگاں انداختم

سو ایسے بزرگوں کی تکفیر ادنیٰ اہلِ علم نہ کرے گا، مگر وُہی سفیہ احمق جو اُن کے احوال سے واقف نہ ہوگا، یا دِل میں فساد رکھتا ہوگا، یا کلمۂ دین کا اُسے حلق سے نیچے نہ اُترا ہوگا۔ اللہ سب مسلمانوں کو ایسی بدظنی سے محفوظ رکھے — عشرہ کاملہ مطبع فخر المطابع دہلی

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریکِ جہاد

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحئیؒ ان مجاہدین کے سرخیل تھے جن کے امیر حضرت سید احمد بریلویؒ خلیفہ قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ تھے۔ یہ دونوں حضرات آپ سے بیعت تھے۔ یہ تحریک دہلی سے شروع کی جاتی تو مجاہدین کی عام لام بندی اور بھرتی بہت مشکل ہو جاتی اور کسی فوجی کارروائی کا آغاز کرنے سے پہلے ہی یہ تحریک ختم کر دی جاتی۔ یہ حضرات تحریک آزادی کی جنگ اس طرح نہ لڑنا چاہتے تھے کہ محض شہادت پالیں بلکہ ان کے پیشِ نظر اوّلاً ایسے

حالات پیدا کرنے تھے کہ حق کے غلبۂ عام کے لیے زمین ہموار ہو جائے اور سرفروش مجاہدین خاصی تعداد میں ان کے گرد جمع ہو سکیں۔

تحریک کا نصب العین اور طریقِ کار

اس تحریکِ جہاد کا نصب العین پورے ہندوستان کو غیر مسلم قبضے سے چھڑانا اور اس میں قرآن و حدیث کا عادلانہ نظام لانا تھا۔ چونکہ اس وقت ہندوستان کی مرکزی غیر مسلم طاقت انگریز تھے۔ یہ مجاہدین چاہتے تھے کہ اس مرکزی طاقت سے ٹکر لینے سے پہلے اپنا ایک مضبوط مرکز کہیں قائم ہو جائے۔ یہ مرکز دہلی یا وسط ہند میں قائم کرنا مشکل تھا۔ اس کے لیے ایسے مقام کی ضرورت تھی جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو اور ان حدود کے قریب کوئی آزاد مسلم ملک بھی ہو۔ قائدینِ تحریک بیک وقت اپنی تمام مخالف قوتوں کو جگانا نہ چاہتے تھے۔ انھوں نے اس عظیم نصب العین کے لیے یہ طریق اختیار کیا کہ پہلا محاذ سکھوں کے مقابلے میں کھولا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر انھیں پنجاب میں غلبہ مل جاتا ہے تو پھر پورے ہندوستان کی جنگِ آزادی بڑی کامیابی سے لڑی جا سکتی ہے۔ اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ یہ قائدینِ تحریک جب دہلی سے روانہ ہوں گے تو راستے میں مختلف مقامات کے سینکڑوں مسلمان ان کے ساتھ ہوتے جائیں گے۔ پورے ملک میں آزادی کی لہر دوڑ جائے گی اور چونکہ براہِ راست ٹکر انگریزوں سے نہیں سکھوں سے ہوگی اس لیے انگریز ابھی سے سامنے نہ آئیں گے۔

ادھر انگریز بھی بہت ہوشیار تھے وہ براہِ راست ٹکر لینے کی بجائے دوسروں سے ہی اس تحریکِ جہاد کو دبوانا چاہتے تھے۔ سکھوں کو ان کی سرپرستی حاصل تھی اور وہ سکھوں کو یہ تاثرات دیے رہے تھے کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں سکھوں پر بہت ظلم کیے تھے اس لیے اب انھیں مسلمانوں کو کسی قیمت میں برداشت نہ کرنا چاہیے۔ حضرت سید احمد بریلویؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا طریقِ کار یہ تھا کہ پہلا محاذ سکھوں کے خلاف کھولا جائے اور پنجاب پر قبضہ کرکے پھر پورے ہندوستان کی جنگِ آزادی لڑی جائے۔

تحریک کی اصولی منزل

مجاہد کبیر حضرت سید احمد بریلوی نے شاہ بخارا کے نام جو خط لکھا وہ مکاتیب شاہ اسمٰعیل شہید میں موجود ہے۔ اس میں تحریک کے اس نصب العین پر کافی شہادت ملتی ہے کہ یہ حضرات بالآخر سارے ہندوستان کی آزادی چاہتے تھے، اس خط میں ہے:

"ہرگاہ بلاد اسلام در دست کفار لئام افتد بر جماہیر اہل اسلام عموماً و شاہیر حکام خصوصاً واجب و موکد مے گردد کہ سعی و کوشش در مقابلہ و مقاتلہ آنہا بجا آرند تا وقتیکہ بلاد مسلمین را از قبضہ ایشاں برآرند والا آثم وگناہگار مے شوند وعاصی وستمگار واز درگاہ قبول مردود مے گردند واز ساحت قرب مطرود" [۱]

(ترجمہ) "جب اسلامی علاقے کافروں کے قبضے میں چلے جائیں تو جمہور اہل اسلام پر عموماً اور شاہیر حکمرانوں پر خصوصاً واجب ہو جاتا ہے کہ ان کے مقابلہ اور مقاتلہ میں کوشش اور عمل بجا لائیں یہاں تک کہ بلادِ مسلمین کو ان کے قبضے سے چھڑالیں ورنہ گناہگار نافرمان اور ظالم ٹھریں گے۔ بارگاہ قبول میں مردود ہونگے اور قرب حق کے میدان سے دور پھینکے جائینگے"

اگر سکھ غیر مسلم تھے جو پنجاب پر قابض تھے تو انگریز بھی تو غیر مسلم تھے جو سارے ہندوستان پر چھائے ہوئے تھے۔ اس خط میں سبب جہاد بلاد اسلام کو غیر مسلم قبضے سے چھڑانا لکھا ہے۔ پس جو سبب سکھوں کے خلاف موجب جہاد تھا وہ انگریزوں کے مقابلے میں بھی کارفرما تھا۔ یہ صرف طریق کار کی ترتیب تھی کہ پہلی ٹکر سکھوں سے لی گئی۔

مجاہدین سرحد کی طرف روانہ ہوئے، جہاں جہاں سے یہ حضرات گزرتے سینکڑوں مسلمان ان کے ساتھ ہوتے جاتے اور تحریک کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا۔ اگر یہ تحریک دہلی سے شروع کی جاتی تو

---

[۱] مکاتیب شاہ اسمٰعیل شہید ص — مکاتیب سید احمد شہید ص۲۶ جانب اول

تحریک دو دن سے زیادہ آگے نہ جاتی ورنہ کون نہیں جانتا کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت سید احمدؒ اپنے شیخ طریقت قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے فتوے کے مطابق پورے ہندوستان کو دار الحرب سمجھتے تھے۔ شاہ بخارا کو یہ بھی لکھا ہے:

"کفار فرنگ کہ بر سر ہندوستان تسلط یافتہ اند نہایت تجربہ کار وہشیار و حیلہ باز و مکار اند اگر بر اہل خراسان بیایند بہ سہولت تمام جمیع بلاد آنہا را بدست آرند باز حکومت آنہا بولایت آنجناب متصل گردد و اطراف دار الحرب بہ اطراف دار الاسلام متحد شود"۔ [۱]

(ترجمہ) "انگریز کفار جو ہندوستان پر غلبہ پا چکے ہیں بہت تجربہ کار، ہشیار، حیلہ باز اور مکار ہیں، اگر اہل خراسان کے پاس آئیں تو بہت آرام سے ان کے تمام علاقے اپنے قبضے میں لے لیں گے پھر ان کی حکومت آپ کی مملکت تک بھی جا پہنچے گی اور دار الحرب اور دار الاسلام کے کنارے باہم جا ملیں گے"

اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سید احمد بریلویؒ اور حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا نظریہ انگریزوں کے بارے میں کیا تھا۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حضرات صرف سکھوں کے خلاف تھے۔ انگریزوں کے خیر خواہ تھے۔ ان کی یہ سوچ حقیقت سے بہت دور ہے۔ نہایت افسوس ہے کہ اس فکری کشمکش میں ان لوگوں نے اس خط میں بھی تحریف کر دی اور کفار فرنگ کی بجائے کفار دراز مویاں (لمبے بالوں والے کافر یعنی سکھ) اور ہندوستان کی بجائے پنجاب لکھ دیا۔ اور عبارت یوں بنا دی: "کفار دراز مویاں کہ بر ملک پنجاب تسلط یافتہ اند [۲]

دین کی معمولی بصیرت رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ مسئلہ جہاد میں لمبے بالوں کا کوئی دخل نہیں کافر لمبے بالوں والے ہوں یا چھوٹے بالوں والے حکماً سب ایک سے ہیں۔ یہ کوئی وجہ فارق نہیں جو

---

[۱] مکاتیب سید احمد شہید ص ۲۸ جانب اول [۲] تواریخ عجیبہ ص ۱۷۵

یہاں ذکر کی گئی ہے پھر تاریخ گواہ ہے کہ سکھوں کو کبھی تجربہ کار اور عقلمند وہشیار نہیں کہا گیا۔ پس یہ عبارت اپنے سباق سے بتا رہی ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہے۔

حضرت سید احمد بریلویؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے خطوط میں ایک اور جگہ انگریزوں کا یہ ذکر ملتا ہے:

"نصاریٰ نکوہیدہ خصال و مشرکین بدمآل بر اکثر بلاد ہندوستان از لب دریائے اباسین تا ساحل دریائے شور کہ تخمیناً شش ماہ راہ باشد تسلط یافتند و دام تشکیک و تزویر بنا بر اخمال دین رب خبیر بر بافتند و تمامی آں اقطار بہ ظلمات ظلم و کفر مشحون گردانیدند [1]

(ترجمہ) " بدخصلت انگریز اور بدانجام مشرک ہندوستان کے بیشتر علاقوں پر دریائے اباسین سے ساحل دریائے شور تک کہ تقریباً چھ ماہ کے سفر کا فاصلہ ہو گا قابض ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کی پامالی کے لیے تشکیک و فریب کا جال بُن چکے ہیں یہ تمام علاقے ظلم و کفر کی تاریکیوں سے بھر چکے ہیں"

یہاں مشرکین اور نصاریٰ دونوں کا ذکر بڑی صراحت سے موجود ہے۔ افسوس کہ اس عبارت کو بھی ان لوگوں نے یوں بدل دیا:

سکھان نکوہیدہ خصال و مشرکین بدمآل بر اکثر اقطاع غربی ہندوستان ۔۔۔۔ تسلط یافتند [2]

(ترجمہ) بدخو سکھ اور بدانجام مشرکین ہندوستان کے بیشتر غربی علاقوں پر قبضہ پا چکے ہیں۔

یہاں اکثر اقطاع غربی ہندوستان کے الفاظ محض اس لئے لائے گئے کہ پنجاب کی طرف اشارہ ہو سکے اور انہیں کسی نہ کسی طرح سکھوں سے متعلق کیا جا سکے، ورنہ اصل الفاظ اکثر بلاد ہندوستان تھے۔

---

[1] مکاتیب سید احمد شہید ص ۲۵ جانب اوّل [2] تواریخ عجیبہ ص ۱۸۹، ص ۱۹۰

تحریک کا رُخ انگریزوں سے ہٹانے کی کوشش

تواریخ عجیبہ میں اس تحریک کا رُخ انگریزوں سے ہٹانے اور اسے صرف سکھوں تک محدود رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ تحریف خود تواریخ عجیبہ کے مصنف سے سرزد ہوئی، یا کسی اور نے دیدہ و دانستہ اسے ان کی کتاب میں جگہ دے دی اور کسی سیاسی مصلحت یا اختلاف عقیدہ کے باعث یہ مضامین بدلے گئے۔ یہ اس وقت موضوع بحث نہیں لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ تحریف ضرور ہوئی۔ مولانا اسمٰعیل شہید کی اپنی تحریرات تواریخ عجیبہ کی نقل سے بدرجہا زیادہ معتبر ہیں، وہ خود صاحب واقعہ ہیں اور تواریخ عجیبہ ان کے کافی بعد کی تالیف ہے۔ ہاں اس سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ شہداء بالاکوٹ کی تحریرات شروع سے ہی مخالفین کا تختہ مشق بنی رہی ہیں اور وہ ان میں لفظی و معنوی تحریف کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔

امیر تحریک حضرت سید احمدؒ کے ایک مرید شیخ غلام علی الہ آباد رہتے تھے۔ یہ حضرت سید صاحب کے ساتھ جہاد میں نہ گئے تھے۔ سید جعفر علی نقوی جہاد کو جاتے ہوئے انھیں رستے میں ملے تھے شیخ غلام علی مرحوم نے اس ملاقات میں سید جعفر علی صاحب سے اپنے اس خیال کا اظہار کیا تھا:

"اب ہماری نظر اس لشکر اسلام کی فتح پر لگی ہوئی ہے اور ہماری معاش کی اصلاح بھی اسی پر موقوف ہے"۔ [۱]

الہ آباد پنجاب میں نہیں ہندوستان میں ہے۔ حضرت سید احمدؒ کی تحریک جہاد سے الہ آباد کے حالات کی اصلاح صرف اسی صورت میں متصور ہے کہ حضرت سید صاحبؒ کے پیش نظر پنجاب پر قبضہ پانے کے بعد پورے ہندوستان کو غیر مسلم قبضے سے چھڑانا اور بلادِ اسلام کو پھر مسلمانوں کے قبضے میں لانا تھا حضرت سید احمد شہیدؒ شاہزادہ کامران کے نام ایک خط میں تصریح کرتے ہیں:

---

[۱] منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء۔ مصنفہ سید جعفر علی ۱۲۸۸ھ

مقصود اصلی خود اقامتِ جہاد بر ہندوستان است نہ توطن در دیار خراسان[۱]

(ترجمہ) ہمارا اصلی مقصد پورے ہندوستان پر لشکر کشی ہے نہ کہ دوسرے علاقہ کو وطن بنا کر بیٹھ رہنا۔

پھر ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

بس اینقدر ضروری است کہ بلادِ ہندوستان از اصل دار الحرب نیست بل کفرہ ہندو فرنگ بالفعل برآں مسلط گردیدہ پس استخلاص بلاد مذکور از دست آنہا بر ذمہ جماہیر اہل اسلام عموماً و مشاہیر حکام خصوصاً واجب. ایں فقیر بقدر استطاعت خود کوشش مے نماید آنجناب را لازم کہ بقدر طاقت خود سعی فرمائند[۲]

(ترجمہ) بس اتنی بات ضرور ہے کہ ہندوستان بنیادی طور پر دار الحرب نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ ہندوستان کے کفار (ہندو اور سکھ) اور انگریز عملاً اس پر قابض ہو گئے ہیں پس جمہور اسلام پر عموماً اور معروف مسلم حکمرانوں پر خصوصاً واجب ہے کہ ہندوستان کو ان لوگوں کے ہاتھوں سے آزاد کرائیں (یعنی اس طرح سے یہ دار الحرب ٹھہرتا ہے) یہ فقیر اپنی ہمت کے مطابق کوشش کر رہا ہے، آنجناب پر بھی لازم ہے کہ اپنی ہمت کے مطابق کوشش فرمائیں۔

اس خط میں آپ نے صراحت سے انگریزوں کو غاصب قرار دیا ہے اور ان سے ملک کو آزاد کرانا اپنا نصب العین قرار دیا ہے۔ ہندوستان کی کافر قومیں (سکھ وغیرہ) انگریزوں کی حلیف تھیں اس لیے آپ نے انھیں ایک ہی صف میں شمار کیا ہے۔

---

[۱] مکاتیب سید احمد شہید ص۱۹ جانب دوم [۲] مکاتیب ص۲۸ جانب دوم

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے میر شاہ علی کے نام جو خط لکھا وہ بھی ان مکاتیب میں موجود ہے، مولانا شہیدؒ بھی سکھوں اور انگریزوں کو ایک ہی صف قرار دیتے ہیں۔

کسے از کفار سکھ و فرنگ ہم ادعای ایں قبائح در ذات آنجناب نمے تواند کرد

(ترجمہ) سکھوں اور انگریزوں میں سے کوئی بھی آنجناب کے بارے میں اس قسم کی برائیوں کا دعوٰی نہیں کرسکتا۔ مکاتیب ص۵۷ جانب اول

ان تحریرات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ ان حضرات کے پیشِ نظر پورے ہندوستان کی آزادی تھی، سکھ اور انگریز ان کے مقابل کی صف تھے۔ سکھوں کے بعد ان کا عزم ہندوستان کی طرف بڑھنے کا تھا پس جن لوگوں نے اس تحریک کو صرف سکھوں تک محدود سمجھا انھوں نے حالات کا تجزیہ کرنے میں بڑی ٹھوکر کھائی ہے۔ سب سے پہلے یہ خیال سرسید احمد خاں نے ظاہر کیا تھا مگر واقعات اس تاویل کا ساتھ نہیں دیتے۔ اس کا مقصد محض یہ تھا کہ قوم کا ذہن انگریزی اقتدار کی طرف متوجہ نہ ہوسکے اور شہدائے بالاکوٹ کو محدود اسلامی نظریہ کے الزام میں بدنام کیا جاسکے۔ حق یہ ہے کہ ان حضرات کا رویہ پوری حکومتِ برطانیہ کے خلاف تھا اور وہ حسنِ تدبیر سے پورے ہندوستان کو غیر مسلم قبضے سے چھڑانے کی اسلامی فکر میں تھے اور یہ تحریک صحیح معنوں میں ایک اسلامی جہاد تھا۔

شیخ الہندؒ کی ریشمی رومال کی تحریک کا جو ریکارڈ لندن کے انڈیا آفس سے حال ہی میں عام ہوا ہے۔ اس میں برطانوی حکومت کے پولیٹیکل نمائندے مسٹر وی ویان کا بیان بھی اس تحقیق کی پوری تائید کرتا ہے۔

"مجاہدین: یہ نام ہندوستان کے متعصب وہابیوں کی ایک بستی کے رہنے والوں کو دیا گیا ہے جو آزاد علاقہ میں یوسف زئی قبائل کے درمیان ہے۔ یہ بستی ۱۸۲۳ء میں وہابی لیڈر سید احمد شاہ بریلوی نے قائم کی تھی۔ اس وقت سے اس کے اراکین کا رویہ حکومتِ برطانیہ کے ساتھ خصومت اور جنگ کا ہے" ریشمی خطوط سازش کیس ص۱۶۵

انگریز بار بار انہیں وہابی کہہ کر عام مسلمانوں میں ان کے خلاف ایک خاص فضا پیدا کرنا چاہتے تھے انہیں عام مسلمانوں کو یہ باور کرانا تھا کہ یہ لوگ عام مسلمانوں سے الگ ہیں۔

اگر یہ مجاہدین انگریزوں کے خلاف نہ تھے صرف سکھوں کے خلاف تھے تو انگریز ان کے خلاف اس قدر سیخ پا کیوں تھے پھر سکھوں کی حکومت تو معرکہ بالاکوٹ کے ۱۸ سال بعد ختم ہوگئی تھی لیکن مجاہدین کا کیمپ اس کے بعد تک کیوں قائم رہا اور انگریز آخر دم تک اسے اپنے خلاف ایک ناقابل تسخیر مورچہ کیوں سمجھتے رہے۔

ولیم ولسن ہنٹر لکھتا ہے:

یہ تحریک کسی رہنما کی موت و حیات سے بالکل مستغنی ہوگئی تھی[1]

قائد تحریک حضرت سید احمد شہید کے بارے میں ان کی زبان ملاحظہ ہو:

رائے بریلی کا قزاق اور ڈاکو سید احمد مراسم حج ادا کرنے کے بعد مکہ سے ۱۸۲۲ء میں اس عزم کے ساتھ لوٹا کہ پورے شمالی ہندوستان کو پرچم اسلام کے زیرنگیں لے آئے گا[2]

حضرت سید احمد پہلے وسط ہند میں بھی انگریزوں کے خلاف صف آرا رہ چکے تھے آپ پنڈاری سردار امیر خاں کے ساتھیوں میں سے تھے۔ سردار امیر خاں سلطان ٹیپو کے بعد انگریزوں کا سب سے بڑا مخالف سمجھا جاتا تھا امیر خاں کی فوج منتشر ہوئی تو حضرت سید احمد نے اپنے مرشد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کو صورت حال سے مطلع کر دیا اور واپس دہلی پہنچے،

مسٹر الف کیرو (OLAF CAROE) لکھتا ہے:

سید احمد بریلوی بدنام زمانہ امیر خاں کا پیرو تھا جس نے وسط ہند میں پنڈاروں کے خلاف انگریز کی مہم کے زمانہ میں کرایہ کے سپاہیوں کا ایک جتھہ جمع کر لیا تھا امیر خاں کی فوج منتشر ہونے کے بعد سید احمد کو اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑے[3]

---

[1] ہمارے ہندوستانی مسلمان صفحہ ۳۴۔ [2] ڈکشنری آف اسلام مصنفہ ہیوگس [3] دی پٹھان صفحہ ۳۰۱

اس عبارت کا ایک ایک لفظ حضرت سید احمد شہید کے خلاف نفرت میں ڈوبا ہوا ہے تحقیر کا کوئی انداز نہیں جو لکھنے والے نے پیچھے رہنے دیا ہو کیا اب بھی مجاہدین بالاکوٹ کی انگریز دشمنی کسی پردے میں ہے وسط ہند کی یہ سلگتی چنگاری کیا اب بھی تحریک کو شمالی ہند تک محدود رکھے گی ؟ کیا اب بھی کوئی شبہ باقی ہے کہ سکھوں کی مخالفت " انگریزوں سے توجہ کو ہٹانے کے لئے تھی۔

اہل خبرت پر مخفی نہیں کہ حضرت سید احمد ایک نہایت معزز اور معروف خاندان کے ہونہار فرزند تھے ان کی خاندانی عظمت کو پامال کرنا اور کرائے کا سپاہی کہہ کر ان کی عزت نفس پر حملہ کرنا مخالفین کی اندرونی گراوٹ کا پتہ دیتا ہے آپ ایک خط میں جو آپ نے ۱۲۴۵ھ میں علماء پشاور کے نام لکھا تھا اپنے خاندان کے بارے میں لکھتے ہیں ؛

ایں فقیر و خاندان فقیر در بلاد ہندوستان گمنام نیست الوف الوف انام از خواص و عوام ایں فقیر و اسلاف ایں فقیر را مے دانند [1]

(ترجمہ) یہ فقیر اور اس کا خاندان ہندوستان میں غیر معروف نہیں خاص و عام کروڑوں لوگ اس فقیر اور اس کے خاندان کو جانتے ہیں۔

اس تحریر کا ایک ایک لفظ حضرت سید صاحب کی خاندانی عظمت کا پتہ دے رہا ہے مگر پی ہارڈی P. HARDY کی تعصب بھری تحریر بھی دیکھئے اور پھر اس قوم کی تہذیبی حالت کا اندازہ کیجئے۔

سید احمد ایک غیر معروف خاندان میں پیدا ہوئے جو شاید معمولی درجہ کے ملازمت پیشہ لوگ تھے ۱۸۰۹ء سے ۱۸۱۸ء تک وہ پنڈاری سردار امیر خاں کی فوج میں جو بعد میں ٹونک کے نواب ہوئے ایک سپاہی رہے اس عرصہ میں شاید ہی کوئی ایسی بات تھی جو انہیں دوسرے پنڈاری قزاقوں سے ممتاز کرتی [2]

---

[1] مکاتیب سید احمد شہید ص ۱۱۶ [2]

اس تمام بغض و نفرت کے باوجود مسٹر پی ہارڈی نے اعتراف کیا ہے کہ اس تحریک کا مقصد صرف شمالی ہند پر اسلام کی پرچم کشائی نہ تھی ان کے پیشِ نظر پورے ہندوستان کی فتح تھی وہ صرف کسی ایک گروہ کے اقتدار ـــــ کے لیے جدوجہد نہ کر رہے تھے، بلکہ ان کے سامنے پورے اسلام کی سربلندی تھی پی ہارڈی لکھتا ہے؛

"سید احمد بریلوی کا مقصد مغلوں یا مغل اشراف کی بحالی نہیں بلکہ ہندوستان کی سرحد پر قرونِ اولیٰ کی اسلامی سوسائٹی کا ایک نمونہ پیش کرنا تھا انہیں یقین تھا کہ یہ نمونہ مسلمانوں کو ایسا فیضان بخش سکتا ہے کہ ایک دن وہ ہندوستان کو اللہ کے لیے فتح کرلیں گے ان کے پیغام نے اعلیٰ طبقوں کو نہیں بلکہ ہندوستان کی مسلم سوسائٹی کے نچلے طبقے کو متاثر کیا[۱] والفضل ما شہدت بہ الاعداء

مشائخ پنجاب کی شہادت

ضلع جہلم پنجاب میں لِلّٰہ شریف ایک معروف خانقاہ ہے جس کے بانی اور سجادہ نشین خواجہ فیض بخش رحمہ اللہ (۱۲۸۲ھ) مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ آپ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد تھے نقشبندی سلسلہ میں آپ نے حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری (۱۲۷۰ھ) سے اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں آپ نے حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے خرقہ خلافت پایا حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد ہونے کے لحاظ سے آپ جتنے حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے قریب ہوسکتے تھے شاید ہی اہلِ پنجاب سے کسی نے آپ کو قریب سے دیکھا ہو آپ کے خاندان کے فردِ فاضل جناب محمد حسین للٰہی لکھتے ہیں:

احمد شاہ ابدالی کے پوتے زمان شاہ کے عہدِ حکومت[۲] میں سکھوں کی سرداری رنجیت سنگھ کو حاصل ہوئی۔ رنجیت سنگھ نے اپنی تدبیر اور مار دھاڑ سے جنوب میں ستلج تک اور شمال

---

[۱] ایضاً ص۵۵ مطبوعہ ۱۹۷۲ء [۲] ۱۷۹۳ ـــ ۱۷۹۹ تک

میں کشمیر اور پشاور تک اپنی حکومت کو وسعت دی ۱۸۱۸ء میں ملتان پر قبضہ کیا اور افغانستان کی افراتفری سے فائدہ اٹھا کر ۱۸۱۹ء میں کشمیر اور ۱۸۲۴ء میں پشاور فتح کر لیا۔

اسی زمانے میں رائے بریلی کے ایک دینی خاندان کے فرد سید احمد شہید اور دہلی کے مشہور بزرگ شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے شاہ اسمٰعیل شہید نے دہلی، دوآب اور بنگال کے مسلمان مجاہدین کا ایک لشکر جمع کیا اور اس سرزمین کو غیر مسلم طاقتوں (سکھوں اور انگریزوں) کے پنجہ سے آزاد کرانے کی غرض سے سلسلہ جہاد شروع کر کے قرن اول کے مسلمانوں کی یاد تازہ[1] کر دی۔

بریکٹ کے اندر کے الفاظ سکھوں اور انگریزوں کے پنجہ سے آزاد کرانے کی غرض سے سلسلہ جہاد صاف بتلا رہے ہیں کہ آپ حضرات کی غرض غیر مسلم طاقتوں کی پامالی تھی۔ انگریزوں کی حمایت میں سکھوں کے خلاف نہ لڑ رہے تھے، سکھ اور انگریز ان دونوں حلیف طاقتیں تھیں اور دونوں مسلمانوں کے حریف تھے شہدائے بالاکوٹ کا مقصد سکھوں کو شکست دے کر پورے ہندوستان سے انگریزی استعمار کو ختم کرنا تھا۔

خانقاہ للہ شریف کے یہ بزرگ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

تیرھویں صدی کی ابتداء میں ۱۲۰۱ میں (۱۷۸۶) میں وسط ہند رائے بریلی (اودھ) میں سید احمد شہید پیدا ہوئے۔ خاندان ولی اللّٰہی کے تربیت یافتہ تھے اور جنہوں نے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو جہاد اور تیغ و سنان کے ذریعہ حاصل کرنا چاہا اور لشکر مجاہدین کے ساتھ اس حصہ شمال مغربی ہند میں ۱۸۳۱ء تک مصروف رہے شہادت کا درجہ پایا[2] کیا اب بھی کسی تامل کی گنجائش ہے کہ ان حضرات کی سکھوں سے پنجہ آزمائی محض انگریزوں

---

[1] حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی ص۲۷۲ اسلامک بک فاؤنڈیشن سمن آباد لاہور [2] ایضاً ص۲۸۴

کو خوش کرنے کے لیے تھی خدا تعصب کا برا کرے اس نشہ میں انسان کہاں تک گر جاتا ہے۔

حضرت خواجہ فیض بخش صاحبؒ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ سے کیا اثرات لے کر پنجاب آئے؟ اس کا پتہ خانقاہ للہ شریف کے طرز عمل سے بہت واضح طور پر ملتا ہے حضرت خواجہ صاحب کی وفات ۱۸۹۶ء میں ہوئی ان کے جانشیں انکے صاحبزادے مولانا ناصرالدین ہوئے مولانا ناصرالدین کے دور میں للہ شریف میں مولانا محمد افضل درس حدیث دیتے تھے یہ مولانا محمد افضل حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خاص تلامذہ میں سے[1] تھے۔

مولانا ناصرالدین کے بعد ۱۹۱۵ء میں مولانا فضل حسین سجادہ نشین ہوئے، مولانا فضل حسین صاحب نے معقولات کی کتابیں مولانا محمد رفیق صاحب سے پڑھی تھیں یہ مولانا محمد رفیق صاحب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء کے شاگرد تھے[2] آپ کے صاحبزادے مولانا محمد اکرم حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب محدث دہلوی کے شاگرد تھے ان حالات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت خواجہ فیض بخش صاحبؒ محدثین دہلی اور انکے جانشین علماء دیوبند کے ہمیشہ نیاز مند رہے تھے۔ اور ان حضرات کی ان اکابر کے بارے میں وہ رائے ہرگز نہ تھی جو مولانا احمد رضا خان کی تھی بلکہ حق یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد افضل صاحب استاذ حدیث للہ شریف کے سامنے مولانا احمد رضا خاں کی نہ کوئی حیثیت تھی اور نہ کسی حلقۂ علم میں ان کی کوئی عقیدت تھی۔

حضرت مولانا احمد الدین بگویؒ ۱۲۸۶ھ بھی حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ کے شاگرد تھے آپ کی رائے بھی یہی ہے کہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے اللہ کی راہ میں جان قربان کی تھی یہ نہیں کہ انگریزوں سے توجہ ہٹانے کے لئے سکھوں سے لڑ رہے ہوں۔ پہلے حضرت مولانا احمد الدین کی رائے ہدیہ قارئین ہو چکی ہے اس میں ہے[3]۔

حافظ، عالم اور حرمین شریفین کی زیارت کرنے والا اور اللہ کی راہ میں اپنے وطن کو

---

[1] ایضاً ص۳۰۲ [2] ایضاً ص۲۲۹ [3] عشرہ کاملہ ص مطبوعہ ۱۲۷۲ھ دہلی

چھوڑنے والا اور غازی اور اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے والا مولوی اسمٰعیل کہ ظاہر حال میں دُنیا سے پاک وصاف ہو کے گیا بموجب قول اللہ تعالیٰ وَلَا تَقُولُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِىْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

وہابیت کا الزام انگریزوں کی حمایت کا الزام تو پادر ہوا اب آئیے ذرا اس الزام کا بھی جائزہ لیں کہ آپ پر لفظ وہابی کا اطلاق تاریخی نقطۂ نظر سے کہاں تک درست ہو سکتا تھا:

حضرت سید احمد شہید ۱۸۲۲ء میں حج کے لیے مکہ گئے تھے اس زمانے میں وہاں آل سعود کی حکومت نہ تھی۔ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کا حلقہ عقیدت نجد تک تو پھیلا تھا لیکن حجاز میں وہ اپنی بات کھلے طور پر نہ کہہ سکتے تھے حکومتِ حجاز ان کے سخت خلاف تھی اور وہاں ان کے کسی قسم کے مذہبی پراپگینڈے کا سوال پیدا نہ ہوتا تھا، حضرت سید احمد شہید دہلی کے علمی خاندان سے وابستہ تھے اور حج کے عارضی قیام میں ان کے نجدیوں سے متاثر ہونے کی بظاہر کوئی صورت نہ تھی۔ محدثین دہلی کے آل شیخ اور مشائخ نجد سے کوئی علمی روابط بھی نہ تھے نہ ان دنوں ذرائع آمد ورفت کچھ اتنے آسان تھے محدثین دہلی حنفی مسلک پر کاربند تھے اور آلِ شیخ کا مسلک حنبلی تھا۔ یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ حضرت سید احمد حج پر آتے ہی وہابی ہو گئے ہوں اور پھر پوری تحریک وہابیت کو ساتھ ہندوستان لے گئے ہوں انگریز جس طرح آپ کو ڈاکو قرار دینے میں سراسر زیادتی پر تھے اسی طرح وہ آپ کو وہابی قرار دینے میں بھی ایک محض سیاسی چال کھیل رہے تھے۔ ذرا مسٹر ہنٹر کی زبان ملاحظہ کیجئے اور ستم کیشوں کے ستم کی داد دیجئے۔

> اس طرح اپنی گذشتہ سوانح حیات کو جو بحیثیت ایک قزاق کے گزری تھی حاجی کے لباس میں چھپا کر اگلے سال ماہ اکتوبر میں بمبئی میں وارد ہوئے [۱]

[۱] ہمارے ہندوستانی مسلمان صد ۲۴

(Hughes) ہیوکس لکھتا ہے:

اپنے پچھلے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے مکہ حج کرنے گیا وہاں ان وہابی مبلغین کے زیرِ اثر آگیا جو حاجیوں میں خفیہ طور پر وہابیت کی اشاعت کر رہے تھے[۱]

وہابیت کی تحریک کتنی اصلاحی کیوں نہ ہو یہ حقیقت ہے کہ اس کی کوئی کڑی علمی یا تاریخی طور پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان سے ملتی تھی، تاریخی طور پر کوئی ایسا مواد نہیں ملتا جو ان دو اصلاحی دعوتوں میں کوئی تاریخی رشتہ تبلائے ہاں شرک اور بدعت سے بیزاری اور سیاسی بیداری ان دونوں میں نمایاں تھی۔ اور اسی وجہ سے انگریز ان دونوں کے خلاف تھے۔ ہندوستان براہِ راست ان کے زیرِ نگیں تھا وہ یہاں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے پورے سلسلہ کے خلاف وہ نفرت پھیلانا چاہتے تھے جو حجاز میں نجدیوں کے خلاف پائی جاتی تھی انگریزوں نے اپنا محاذ ایک کرنے کے لیے وہابی کا لفظ ہندوستان میں امپورٹ کیا ورنہ اس خاندان کا آل شیخ محمد بن عبدالوہاب سے کوئی تاریخی رشتہ نہ تھا جن عرب علماء نے[۲] حضرت سید احمد شہید کی نظر و فکر کو آلِ شیخ کی تحریک سے ماخوذ تبلایا ہے وہ یورپین مؤرخین کی غلط بیانی کا شکار ہوئے ہیں۔

حضرت سید احمد شہیدؒ اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے فتوے کے مطابق غلام ہندوستان کو دار الحرب سمجھتے تھے ان خیالات کے ہوتے ہوئے انہیں ہندوستان میں کبھی استحکام نصیب نہ ہو سکتا تھا وہ حضرت سید احمد شہید کی تحریک سے سخت خائف تھے۔ کبھی انہیں ڈاکو کہتے اور کبھی مرکز مکہ میں ان کے خلاف پراپیگنڈے کرنے کے لیے انہیں وہابی تبلایا جاتا۔ حضرت سید احمد شہید کی جنگ گو براہِ راست سکھوں کیخلاف تھی لیکن ان کی ناکامی میں پس پردہ انگریزوں کی اپنی چالوں کا دخل تھا۔

---

[۱] ڈکشنری آف اسلام زیرِ عنوان "وہابی"

کے اصلاحی قائدین میں حضرت سید احمد شہید کے بارے میں لکھتے ہیں :

اس نے ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا انگریزی حکومت کو اسکی اور اس کے پیروکاروں کی وجہ سے بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا بالآخر وہ ان کے دبانے میں کامیاب ہوئی[1]

اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت سید احمد شہید کی بالاکوٹ میں شہادت انگریزی سیاست کی ہی کامیابی تھی۔

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی شہادت

حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ محدث دہلوی اپنے شیخ طریقت حضرت سید احمدؒ کی قیادت میں سکھوں کے خلاف لڑتے ہوئے بالاکوٹ کے مقام پر ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ جمعہ کے دن شہید ہوئے بالاکوٹ پاکستان کے ضلع ہزارہ میں تحصیل مانسہرہ میں واقع ہے۔ رنجیت سنگھ کی طرف سے شیر سنگھ گڑھی حبیب اللہ کے قریب متعین تھا۔ جب سید صاحبؒ بالاکوٹ پہنچے تو سکھوں کا لشکر دریائے کنہار کے مشرقی کنارے پر ڈیرہ ڈالے تھا سکھ مٹی کوٹ کے ٹیلے سے اوپر پہاڑی راہوں میں جمع ہوتے گئے اور لشکر اسلام تذبذب میں تھا۔ یہ صورت حال بتا رہی تھی کہ لڑائی پہاڑی علاقے اور قصبہ بالاکوٹ کے درمیانی میدان میں ہوگی۔

مسلمان چاہتے تھے کہ سکھ ٹیلوں سے نیچے اتریں تو ایک ہی دفعہ ان پر حملہ ہو، سکھ چاہتے تھے کہ مسلمان میدان میں نکلتے رہیں اور گروہ گروہ ہو کر کٹتے رہیں، ایک ہی دفعہ گھمسان کی جنگ نہ ہو اور ضرورت پڑے تو وہ واپس لوٹ کر ٹیلوں میں پناہ لے سکیں سکھوں کی گولیاں ٹیلوں سے قصبے پر آ رہی تھیں۔ حضرت سید صاحبؒ پہلے بالاکوٹ کی مسجد میں ٹھہرے تھے۔ مولانا اسمٰعیلؒ اس مسجد کے شمالی دالان میں تھے۔ حضرت سید صاحبؒ پھر مسجد زیریں چلے آئے تو حضرت شاہ صاحبؒ بھی ساتھ ہو گئے۔ حضرت سید صاحبؒ نے مسجد زیریں سے نکل کر جنگ کا آغاز کر دیا اور مٹی کوٹ کے ٹیلے کی

---

[1] زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث ص۲۱

طرف چل دیے۔ سکھ فوج مسلمان مجاہدین کے مقابلے میں بارہ گنا تھی۔ پھر شیر سنگھ کے پیچھے رنجیت سنگھ کی پوری قوت تھی اور ان مجاہدین کے پیچھے کوئی مرکزی طاقت نہ تھی۔ مسلمان اب مقامِ تدبیر سے نکل کر مقامِ شجاعت میں[1] داخل ہو چکے تھے۔

چوں شہیدِ عشق در دنیا و عقبیٰ سرخرو است
اے خوش آں ساعت کہ مارا کشتہ زیں میداں برند

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا مورچہ اور ملا لعل محمد قندھاری کا مورچہ ساتھ ساتھ تھے۔ لعل محمد جگدیشپوری نے مٹی کوٹ کے دامن کے حالات میں ذکر کیا ہے:

"مولانا اسمٰعیلؒ بندوق کندھے پر رکھے اور ننگی تلوار ہاتھ میں لیے میرے پاس آئے۔ پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔[2] پوچھا: امیر المومنین کہاں ہیں؟ میں نے اپنے دائیں طرف اشارہ کیا کہ اس ہجوم میں ہیں۔ مولانا پھر اس طرف تیزی سے بڑھے[3]"

آپ میدانِ کارزار میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے[4]۔ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور ارباب بہرام خاں جو آپ کے آگے آگے چلتے تھے، نالہ ست بنے کے پار بالاکوٹ کے شمال مشرق میں دفن ہوئے۔ شیر سنگھ نے مسلمان قیدیوں سے کہا کہ اگر وہ سید صاحبؒ کی لاش کی صحیح نشاندہی کریں تو انھیں چھوڑ دیا جائے گا۔ انھوں نے پہچان کر دی اور اس نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ وہ حضرت سید صاحب کو اسلامی طریقہ پر دفن کریں۔

ہندوستان کے غیر مسلم ہاتھوں میں جانے کے بعد یہ پہلی جنگِ آزادی تھی جو اسلام کے محاذ پر لڑی گئی، گو اس تحریک کو کچل دیا گیا لیکن بالاکوٹ کے یہ شہید غیرت و حمیت کے وہ چراغ

---

[1] مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے امام خاں خیر آبادی کی شہادت کے موقع پر فرمایا تھا کہ میدانِ جنگ میں انسانوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں، بعض اربابِ تدبیر ہوتے ہیں بعض اربابِ شجاعت اور بعض جامع ہر دو۔ زرے اربابِ تدبیر ہمارے کام کے نہیں اس لیے کہ یہ مقام تدبیر کا نہیں شجاعت کا ہے۔ سید احمد شہیدؒ ص۵۶

[2] منظورۃ السعداء ص۱۱۹۴ [3] سید احمد ص۴۹۱ [4] وقائع احمدی جلد ۴ ص۲۲۸

روشن کر گئے جو ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی اور پھر تحریکِ خلافت کے تاریک خاکوں میں رنگ بھرتے رہے۔ یہاں تک کہ آزادی کا سورج چمکا اور بڑی آب و تاب کے ساتھ چمکا۔ انگریزوں کو برِصغیر سے نکلنا پڑا اور سکھوں کو خود ہندوؤں کے آگے مغلوب ہونا پڑا۔

شہدائے بالاکوٹ کی شہادت کے بعد بھی مجاہدین کی یہ بستی قائم رہی ان کا جذبہ جہاد بھی زندہ رہا اور ۱۹۴۷ء کی آزادی ہند تک شہدا کا خون مستقبل کے خاکوں میں رنگ بھرتا رہا۔ اس تحریک کے لازوال ولولے کے بارے میں ولیم ولسن ہنٹر لکھتا ہے:

"یہ تحریک کسی رہنما کی موت و حیات سے بالکل مستغنی ہو گئی تھی"۔ [1]

اس معرکہ بالاکوٹ پر اٹھارہ سال بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ پنجاب پر سکھوں کی حکومت ختم ہو گئی اور جو خواب حضرت سید صاحب نے دیکھا تھا وہ اٹھارہ سال بعد پورا ہوا۔

اعترافِ حقیقت

ایک یورپین مصنف ولفورڈ کینٹ ولٹ سمتھ WILFORD CANTVENT SMITH لکھتا ہے:

تحریک کا نصب العین اور اس کی قوتِ محرکہ زیادہ دیرپا اور زیادہ ہمہ گیر طریقہ پر باقی رہی کافر کو نکال باہر کرنے کی سعی دبائی جا سکتی تھی اور دبا دی گئی مگر مسلم سوسائٹی کے اقبال کو بحال کرنے کے لیے اس کے احیاء اور تجدید کی کوششیں باقی رہتی تھیں جس سے ضمنی طور پر دونوں مقاصد کی نشاندہی ہوتی ہے ہندوستان میں اس کے ذریعہ اسلامی طاقت کا تصور بیسویں صدی میں باقی رہا اور معاشرہ پر منڈلاتا رہا بلکہ اسے محرک کرتا رہا۔ [2]

حضرت سید احمد شہید اور مولانا اسمٰعیل شہید تو جامِ شہادت نوش کر گئے لیکن ان کا خون انگریزوں کے خلاف ابھرنے والی تحریک کے خاکوں میں رنگ بھرتا رہا ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے کچھ پہلے جب عیسائی مشنری ہندوستان میں اسلام پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے

---

[1] ہمارے ہندوستانی مسلمان صفحہ ۳۴ [2] P. 53 مطبوعہ نیویارک ۱۹۵۷ء

تو یہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہید کے فدائی مسلمان ہی تھے جو حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور ڈاکٹر وزیر خاں کی قیادت میں اس تحریکِ ارتداد سے ٹکر لے رہے تھے مولانا حالی مرحوم اس وقت کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"ہندوستان میں اسلام خطروں میں گھرا ہوا تھا۔ ایک طرف مشنری گھات میں لگے ہوئے تھے۔ اگرچہ قحط کے دوران میں ان کو دبلا پتلا شکار پیٹ بھرا و مل جاتا تھا مگر وہ اس پر قانع نہ تھے اور ہمیشہ صید فربہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ ہندوستان میں سب سے زیادہ تیز دانت اُن کا مسلمانوں پر تھا اس لیے ان کی منادیوں میں ان کے اخباروں میں ان کے رسالوں میں زیادہ تر بوچھاڑ اسلام پر ہوتی تھی۔ اسلام کی تعلیم کی طرح طرح سے بُرائیاں ظاہر کرتے تھے۔ بانیٔ اسلام کے اخلاق و عادات پر انواع و اقسام کی نکتہ چینیاں کرتے تھے۔ بہت سے مسلمان کچھ ناواقفیت اور بے علمی کے سبب اور اکثر افلاس کے سبب ان کے دام میں آگئے۔ اس خطرہ سے بلاشبہ علمائے اسلام جیسے مولانا آل حسن۔ مولانا رحمت اللہ صاحب مرحوم اور ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہ متنبہ ہوئے۔ انہوں نے متعدد کتابیں عیسائیوں کے مقابلے میں لکھیں اور ان سے بالمشافہ مناظرے کئے جس سے یقیناً مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ ردِ نصاریٰ میں تالیف و تصنیف اور پادریوں سے مقابلہ و مناظرہ کا سلسلہ ایک جماعتی نہ سہی لیکن انتظامی شکل میں شروع ہو گیا تھا۔ قدرتی طور پر ہر جگہ مسجدیں تھیں۔ علمائے کرام کے وہ گڑھ تھے۔ اس انقلابی تحریک کے چلنے میں کوئی دشواری پیدا نہیں ہوئی۔ رہنما کی ضرورت تھی۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی سے بہتر کون ثابت ہو سکتا تھا۔ انہوں نے اس کی بنیاد ڈالی اور اس کام کے لیے دہلی، آگرہ کو مرکز قرار دیا۔ یہاں بھی مولانا نے تصنیف و تالیف کا کام کیا۔ ان کی جماعت میں ہندوستان کے انتہا پسند اور حضرت اسمٰعیل شہیدؒ کے فدائی مسلمان تھے جن کی تعداد کافی تھی۔"

اس میں مولانا اسماعیل شہید کی صحیح فکر اور ان کی تحریک سے دیرپا اثرات کی کھلی شہادت موجود ہے۔

اس تحریک کا ذکر پادری فنڈر ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"یہاں (آگرہ) کے علمائے اسلام دہلی کے علماء کے ساتھ مل کر گذشتہ دو تین سال سے کتاب مقدس کا اور ہماری کتابوں اور مغربی علماء کی تنقیدی کتب اور تفاسیر کا مطالعہ کر رہے تھے تاکہ وہ کتاب مقدس کو غلط اور باطل کر سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی کے عالم مولوی رحمت اللہ (کیرانوی) نے دو کتابیں تصنیف کیں۔ جنوری ۱۸۵۴ء میں جب میں یہاں نہیں تھا وہ آگرہ آیا تھا کہ اپنے احباب کے ساتھ ان کتب کو چھپوانے کا انتظام کرے۔ مباحثہ ہوا تقریباً ایک سو مسلمان علماء مولوی رحمت اللہ کی مدد کیلئے جمع تھے اور دوسرے روز اسکی دوگنی تعداد تھی۔"

یہ علماء حق بلا کسی معاوضہ کے رد نصاریٰ میں اپنا وقت صرف کرتے رہے اور ہر صوبہ اور ہر ضلع میں ان کے شاگرد احقاقِ حق کا فرض ادا کرتے تھے۔ علمائے کرام ہر ضلع میں عیسائیوں کے مدِ مقابل تھے اور ان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔ چنانچہ "پادری فرنچ، انچارج ضلع ملتان" کی رپورٹ میں ہے۔

"ملتان کے ملّا سیّد اور مخدوم سب اس بات کے لیے کوشش کر رہے تھے کہ خدا کو روشنی کو داخل نہ ہونے دیں۔ یہ دو مشہور شخصوں یعنی مولوی رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خاں کے جنہوں نے اسلام کا طرفدار ہو کر ڈاکٹر فنڈر سے مباحثہ کیا دوست تھے۔"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ملتان کے علماء اور مشائخ اس وقت سب اہلِ حق سے وابستہ تھے اور اس وقت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے فدائی خاصی تعداد میں ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے۔ حیات شبلی کے دیباچہ میں حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں :۔

انگریزوں کے برسرِ عروج آتے ہی تین طرف سے حملوں کا آغاز ہوا۔ عیسائی مشنریوں نے اپنی نئی نئی سیاسی طاقت کے بل بوتے پہ اسلام کے قلعہ روئین پر حملے شروع کر دیئے دوسری طرف ہندوؤں میں آریہ تحریک نے اپنے سابق مسلمان حکمرانوں سے نجات پا کر ان پر حملہ کی جرأت پائی اور سب سے آخر میں یورپین علوم و فنون اور تمدّن کی ظاہری

چمک دمک مسلمانوں کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگی۔ خدا نے عیسائیوں کے مقابلہ کے لیے مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی۔ ڈاکٹر وزیر خاں صاحب (آگرہ) اور اس کے بعد مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی۔ مولانا رحم علی صاحب منگلوری۔ مولانا عنایت رسول صاحب چڑیاکوٹی۔ مولانا سید محمد علی صاحب مونگیری وغیرہ اشخاص پیدا کئے جنہوں نے عیسائیوں کے تمام اعتراضات کے پرزے اُڑا دیے اور خصوصیت کے ساتھ ڈاکٹر وزیر خاں صاحب اور مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کا وجود تورد عیسائیت کے باب میں تائید غیبی سے کم نہیں اور کون باور کر سکتا تھا کہ اس وقت میں پادری فنڈر کے مقابلہ کے لیے ڈاکٹر وزیر خاں صاحب جیسا آدمی پیدا ہو گا جو عیسائیوں کے تمام اسرار کا واقف اور ان کی مذہبی تصنیفات کا ماہر کامل اور عبرانی و یونانی کا ایسا واقف ہو گا جو عیسائیوں کو خود انہی کی تصنیفات سے ملزم ٹھہرائے گا اور مولانا رحمت اللہ کے ساتھ مل کر اسلام کی حفاظت کا ناقابلِ شکست قلعہ دم کے دم میں کھڑا کر دے گا۔

آریوں کے دیانند سرسوتی کے مقابلہ کے لیے خاص طور پر مولانا محمد قاسم صاحب کا ظہور بھی تائیدِ غیبی ہی کا نشان ہے اور پھر جس طرح حقائق حقہ کی اشاعت اور رد بدعات کا اہم کام مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور اس جماعت کے دیگر مقدس افراد کے ذریعہ انجام پایا۔ اسکے آثارِ باقیہ اب بھی ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں"

یہ سب حضرات حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے فدائی تھے۔ تاریخ کا یہ رُخ ثابت کرتا ہے کہ بالاکوٹ کے معرکہ نے آئندہ اُٹھنے والی ہر تحریک کے کیلئے رجالِ کار پیدا کئے مگر افسوس کہ علماء حق کے متوازی وہ علماء بھی اُٹھے جو اُن کے قاتلوں کو اہل خیر قرار دینے میں اسلام کی مجددانہ خدمت سمجھتے تھے ———— کیا یہ اس بات کا کھلا ثبوت نہیں کہ حضرت شہیدؒ کے خلاف اس قسم کا کھلا تبرا کرنے والے علماء درصل انگریز کی پیداوار تھے۔

تاریخِ اسلام کا المیہ ــــــ سکھوں کو اہلِ خیر کہنے والے مسلمان

حضرت مولانا سمٰعیل سکھوں سے لڑتے ہوئے میدانِ جنگ میں شہید ہوئے۔ جنگِ آزادی کے اس انجام پر سکھ اور انگریز تو خوش تھے ہی، مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی اپنے وقت میں ان سکھوں کی پوری تائید کی اور وحدتِ اسلامی اور مسلمانوں کی غیرتِ ملی کا مذاق اُڑایا۔ آپ نے ان سکھوں کو اہلِ خیر کہا جنھوں نے حضرت شاہ اسمٰعیل محدث دہلویؒ کو قتل کیا تھا خانصاحب لکھتے ہیں:

وہ جسے وہابیہ نے دیا ہے لقب شہید و ذبیح کا
وہ شہیدِ لیلیٰ نجد تھا وہ ذبیحِ تیغ خیار ہے[1]

(سلیس) جسے وہابیہ سمٰعیل شہیدؒ کہتے ہیں وہ تو نجد کی کسی محبوبہ کے عشق میں مارا ہوا تھا، اُسے اچھے لوگوں کی تلوار نے ذبح کیا ہے (معاذ اللہ)

مقامِ عبرت ــــــ مولوی احمد رضا خاں بریلوی کہتے ہیں کہ مولانا سمٰعیل محدث دہلویؒ کو اچھے لوگوں نے قتل کیا تھا۔ ذبیح تیغ خیار میں سکھوں کو اچھے لوگ (خیار) کہا گیا ہے، جو لوگ آزادی کے اس کٹھن مرحلہ پر بھی مسلمانوں کے مقابلے میں سکھوں کو اہلِ خیر سمجھیں ان کے دین و آخرت پر افسوس کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے

سکھوں کو اہلِ خیر کہنے پر ہی اکتفا نہیں کی، ان کی حکومت کو حکومتِ الٰہیہ کہا اور حضرت مولانا سمٰعیل شہیدؒ کو حکومتِ الٰہیہ کا باغی ــ فیا للعجب شبیر حسن مُراد آبادی مولانا احمد رضا خاں سے نقل کرتے ہیں،

سید احمد قتیل اور اسمٰعیل قتیل کو حکومتِ الٰہیہ کی مخالفت جیسے عظیم جرم کی پاداش میں کتوں بلکہ خنزیروں کی موت نصیب ہوئی۔[2] استغفر اللہ العظیم

---

[1] حدائق بخشش حصہ ۲ صفحہ ۵۸ [2] روزنامہ جنگ راولپنڈی ۱۵ جون ۱۹۶۳ء

مولانا شہیدؒ کی تصنیفات

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی کتابوں میں تقویۃ الایمان، تذکیر الاخوان، منصب امامت اور ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح اور عبقات معروف ہیں، آپ کی مثنوی سلک نور آپ کے ذوقِ شعری کی یادگار ہے۔ فنون کی کتابوں پر آپ نے علمی حاشیے بھی تحریر فرمائے مگر افسوس کہ وہ ۱۸۵۷ء میں ضائع ہو گئے۔ [1]

صراطِ مستقیم آپ کے شیخ طریقت حضرت سید احمدؒ، خلیفہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے ارشادات کا مجموعہ ہے جس کے مقدمہ باب اوّل اور باب چہارم کو مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے اور باب دوم اور باب سوم کو حضرت مولانا عبدالحیؒ نے قلمبند فرمایا تھا۔ صراطِ مستقیم حضرت سید صاحبؒ کے ارشادات اور ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ اسے مولانا شہیدؒ نے مرتب کیا تھا۔ تقویۃ الایمان میں زیادہ تر توحید ربانی کا بیان ہے۔ منصب امامت میں انبیاء کرام اور ائمہ و اولیاء کی رفعت و عظمت اور امامت و خلافت پر نہایت بلند پایہ تبصرے ہیں۔ ایضاح الحق الصریح نہایت بلند پایہ علمی کتاب ہے۔ عبقات بھی ایک علمی شاہکار ہے۔ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے عقائد و نظریات معلوم کرنے کے لیے ان تمام کتابوں کو دیکھنا چاہیئے۔ صرف تقویۃ الایمان دیکھ کر اور اسے بھی بالاستیعاب نہیں چند جستہ جستہ کٹی عبارات سے دیکھ کر اتنے بڑے عالم اور ولی کامل کے عقائد کا تجزیہ کرنے بیٹھ جانا عدل و انصاف سے دور ہے اور نہ یہ اہلِ علم کا دستور ہے۔ ان کتابوں کو غور سے دیکھیں بالاستیعاب دیکھیں اور بار بار دیکھیں اور پھر دیکھیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا دل انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کی عظمت و محبت سے کس قدر معمور تھا۔ توحید خالص کے بیان اور شرک کی مذمت کو انبیاء و اولیاء کی توہین سمجھنے لگ جانا ایک بڑی غلطی اور حماقت ہے۔ مسلمان جب یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے اور شریک نہیں تو نادان عیسائی اسے حضرت عیسیٰ کی توہین سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

---

[1] از اکمل البیان ص۵۸

ملحوظ رہے کہ یہ کتابیں حضرت مولانا اسمٰعیل شہید کی ہی ہیں، البتہ تقویۃ الایمان کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ آپ کی کتاب ہے یا اُسے محض آپ کی طرف منسوب کردیا گیا ہے۔ اعتراض کرنے والوں کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کا پیرایہ بیان مولانا شہید کی دُوسری کتابوں کا سا نہیں۔ مولانا کی دوسری کتابیں حکیمانہ انداز کی ہیں اور ان میں خاندانِ ولی اللّٰہی کی پوری جھلک ملتی ہے۔ مگر اس کا انداز محدثانہ ہے اور عقائدِ فاسدہ کے ابطال میں نشتر تیز رکھا گیا ہے پھر اس کے نسخے بھی کئی ہیں، نہیں کہا جاسکتا کہ کونسا نسخہ ان کی تالیف ہے۔ ہم نے عام شہرت کی بناء پر اسے مولانا شہیدؒ کی کتابوں میں لکھ دیا ہے۔

مولانا شہید کی کتابوں میں منصبِ امامت اس درجے کی کتاب ہے کہ محققین نے اسے افلاطون کی کتاب جمہوریہ سے بہتر قرار دیا ہے ـــــ مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں۔

ان کتاب منصب امامت لمولٰنا اسمٰعیل الشہید احسن من جمہوریۃ افلاطون[1]

اس میں انبیاء وصدیقین، شہداء وصالحین اور دیگر برگزیدگانِ ذاتِ الٰہی کا اس انداز میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک ایک سطر سے مقامِ ولایت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔

حضرت مولانا اسمٰعیل شہید کے عقائد کو تفصیلاً معلوم کرنے کے لیے ان کی کتابوں کی بہت سی جزئیات عظیم رہنمائی بخشتی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ایک راسخ العقیدہ سنی عالمِ دین تھے اور آپ کا توحیدِ خالص اور عظمتِ رسالتؐ پر پورا پورا ایمان تھا اگر کوئی عبارت پیچیدہ دکھائی دے تو اسے ان دوسری صریح عبارات کی روشنی میں بہت آسانی سے حل کیا جاسکتا ہے۔

---

[1] رسالہ فی مصطلح الحدیث صـ۲۹ من افادات الامام عبیداللہ السندھی املاہا علی العلامۃ الشیخ عبداللہ الکلیننی الشافعی۔

اس مطالعہ میں یہ نہ بھولیے کہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہید ایک بلند پایہ عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ نقشبندی سلسلے کے عظیم شیخ طریقت بھی تھے اصلاح باطن اور تزکیہ مریدین کے لیے اگر آپ نے کہیں کوئی سخت تعبیر اختیار کی ہے تو یہ فتویٰ نہیں مرشد و مریدین کے مابین ایک اصلاحی تدبیر ہوگی اور وہ بھی سید صاحب کی طرف سے جو انکے شیخ تھے۔

ہندوستان کے شہرۂ آفاق مصنف و مؤرخ نواب سید صدیق حسن خاں (والیٔ بھوپال) (م ۱۳۰۷ھ) جنھوں نے ان کی تعلیم و تربیت کے اثرات کو خود دیکھا تھا، اور ان کے دیکھنے والوں کی ایک بڑی جماعت کو انھوں نے دیکھا تھا۔ "تقصار جیود الأحرار" میں لکھتے ہیں:

> خلق خدا کی رہنمائی اور خدا کی طرف رجوع کرنے میں وہ خدا کی ایک نشانی تھے۔ ایک بڑی خلقت اور ایک دنیا آپ کی قلبی و جسمانی توجہ سے درجۂ ولایت کو پہنچی۔ آپ کے خلفاء کے مواعظ نے سرزمین ہند کو شرک و بدعت کے خس و خاشاک سے پاک کر دیا اور کتاب و سنت کی شاہراہ پر ڈال دیا۔ ابھی تک ان کے وعظ و پند کے برکات جاری و ساری ہیں۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں:

> "خلاصہ یہ کہ اس زمانہ میں دنیا کے کسی ملک میں بھی ایسا صاحب کمال سنا نہیں گیا اور جو فیوض اس گروہ حق سے خلق خدا کو پہنچے، ان کا عشر عشیر بھی اس زمانہ کے علماء و مشائخ سے نہیں پہنچا۔"

توحید خالص کے بیان اور رد بدعت کے کام میں حضرت امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی حضرت شہید کے پیشرو اور روحانی بزرگ تھے۔ مناسب ہوگا کہ ان مسلم بزرگوں کی تحریرات کی روشنی میں حضرت مولانا اسمٰعیل شہید کے عقائد بیان کیے جائیں واللہ ھو الموفق۔

الکلام الفرید فی عقائدِ الشھید

مولانا شہید کے اعتقادی نظریات

الحمد لله الذی فتح قلوب خلص عبادہ المومنین وازال عنھم غیم الریب والشك بالحق المبین لا یعتریه نقص فی الکلام ولا نقص فی الاحکام والصلوۃ والسلام علیٰ سید الرسل وخیر الانام وعلیٰ اٰلہ واصحابه الذین ھم الخاصة للعوام والنجوم فی الظلام فالله یعید الامم یوم معادھم فیاخذ للمظلوم عن ظلم ویتدارك بعفوہ من شاء ومن شاء منھم انتقم ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ الله فلا مضل له ومن یضلله فلا ھادی له اما بعد

توحیدِ باری تعالیٰ کے بیان میں

دینِ فطرت کا امتیازی نشان پروردگار کو ایک جاننا اور اُسے اس کی ذات میں صفات میں اور اس کے کاموں میں وحدہٗ لاشریک ماننا ہے۔ تمام پیغمبر اپنی تمام محنتوں اور قربانیوں سے اسی عقیدہ توحید کی دعوت دیتے رہے اور سب کی اجتماعی پکار قوموں اور ملتوں کو اس ایک خالق و مالک اور باری و رازق پر ایمان لانے اور ان تک اسکے احکام پہنچانے کے لیے تھی۔ پیغمبرانہ تاریخ کا اجتماعی نقطہ توحید باری کا بیان اور پیغمبرانہ اطاعت میں اعمالِ صالحہ کا عنوان رہا ہے اور سیدنا حضرت ابراہیم

علیہ السلام اس توحیدِ خالص کے بیان میں نہایت ممتاز تھے۔ حضور خاتم النّبیین صلّی اللہ علیہ وسلّم اسی ملّتِ ابراہیمی کے داعی تھے اور آپ ہی حضرت ابراہیم کی ان دعاؤں کا مصداق تھے جو آپ نے تعمیرِ کعبہ کے وقت اللہ ربّ العزّت کے حضور میں کی تھیں۔ آپ کی تشریف آوری سے جہل کے بادل چھٹے اور شرک کے بُت گرے۔ آپ کے آل واصحاب آپ کی اسی دعوت کو لے کر دنیا کے کناروں تک پہنچے اور بنی نوعِ انسان کو اس دینِ کامل کو ماننے کی دعوت دی جس پر عمل کر کے قومیں اس دنیا میں بھی سُرخرو ہوسکتی ہیں۔

برّ ِصغیر پاک وہند میں اسلام کی آمد

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس جماعت کو جہنّم سے آزادی کی بشارت دی تھی، جو غزوہ ہند میں سب سے پہلے شامل ہوگی خلیفہ راشد سیّدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، نے ہندوستان کے حالات معلوم کرنے کے لیے کچھ لوگ بھیجے۔ پھر محمد بن قاسم کے ساتھ مسلمان اس ملک میں داخل ہوئے اور محمود غزنویؒ نے اس برّ ِصغیر پاک وہند میں توحید کا پرچم بلند کیا لیکن اسلام کے لیے پوری دینی حرارت اور عملی بہار اسی وقت اس سرزمین پر آئی۔ جب صوفیہ کرام نے اس سرزمین میں قدم رکھا، رہروِ قافلہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ تھے جن کے نقشِ قدم سے ظلمت کدہ ہند میں اسلام کا نور اپنی پوری بہاروں سے جلوہ فگن ہُوا ۔ ؎

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

اسلام کی اس دور کی نشرواشاعت میں اہل اللہ کی باطنی توجہات اور عبادات و ریاضات کو زیادہ دخل تھا۔ ابھی تعلیم وتعلم کی درسگاہیں پوری شوکتِ علمی سے قائم نہ ہوئی تھیں، عمل واخلاص کی یہ فضا اس وقت تک پُربہار رہی جب تک یہ اہل اللہ موجود رہے یا اُن کے

خلفاء و متوسلین ان کے نقش قدم پر چلتے رہے لیکن جب دوکاندار قسم کے جانشین پیدا ہونے لگے اور ان کا کام بڑوں کے نام پر روزی جمع کرنا رہ گیا تو شرک و بدعت کے سیاہ بادل پھر اُٹھنے شروع ہوئے اور دیکھتے دیکھتے ان مسلمانوں پر چھا گئے جن کے ماحول میں ابھی کتاب و سنت کی تعلیم پر کوئی باقاعدہ محنت نہ ہو سکی تھی اکبری عہد میں دینِ الٰہی کی ایجاد اور ہندو نظریات کی مراعات سے ہندوؤں کے تمدنی اور معاشرتی اثرات نے پھر مسلمانوں کو گھیر لیا اور مسلمانوں میں ایسی ایسی بدعات رائج ہوگئیں جن کے پیچھے ہندوؤں کے مذہبی تصورات کارفرما تھے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی سیدنا حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (۱۰۳۵ھ) ایک مکتوب میں اس زمانے کا اعتقادی نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں :

یہ وہ وقت ہے کہ خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کو ہزار سال گزر چکا ہے قیامت کی علامات اور نشانیاں اپنا پر تو ڈال رہی ہیں سنت زمانہ نبوت کی دوری کی وجہ سے پردہ میں چھپ گئی ہے جھوٹ پھیلنے کی وجہ سے بدعت سامنے آرہی ہے اب کوئی شہباز چاہیے جو سنت کی امداد کرے اور بدعت کو شکست دے بدعت کا رواج پانا دین کی بربادی کا باعث ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کی عمارت کو گرانا ہے۔

اس وقت کے علماء کو خداوند تعالیٰ توفیق دیں کہ کسی بدعت کی اچھائی میں زبان نہ کھولیں اور کسی بدعت کے کرنے کا فتویٰ نہ دیں اگرچہ وہ بدعت اُن کی نظر میں سپیدہ صبح کی طرح روشن ہو کیونکہ سنت کے علاوہ ہر چیز میں شیطان کی فریب کاریوں کا بہت غلبہ ہے پہلے زمانہ میں چونکہ اسلام مضبوط اور طاقت ور تھا اسلئے بدعت کے اندھیروں کو برداشت کر سکتا تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بدعت کے بعض اندھیرے نور اسلام کی سخت چمک دمک میں نورانی نظر آتے ہوں۔ اسلئے ان کو بدعت حسنہ کہا گیا ہو اگرچہ درحقیقت بدعت میں کچھ نور نہیں تھا۔ لیکن اس وقت جو اسلام کے ضعف اور کمزوری کا وقت ہے بدعت کے اندھیروں کو برداشت کرنے

کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ [1] پھر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

گفتہ اند کہ بدعت بر دو قسم است حسنہ و سیئہ۔ حسنہ آں اعمال نیک را گویند کہ بعد از زمان آنسرور و خلفائے راشدین علیہم الصلوٰۃ والسلام پیدا شدہ باشد و رفع سنّت نہ نماید و سیئہ آں کہ رافع سنّت باشد۔ ایں فقیر در ہیچ بدعتے ازیں بدعتہا حسن و نورانیت مشاہدہ نمے کند و جز از ظلمت و کدورت احساس نمے نماید اگر فرضاً عمل مبتدع را کہ امروز بواسطہ ضعف بصارت بطراوت و نضارت بینند فردا کہ حدید البصر گردند دانند کہ جز خسارت و ندامت نتیجہ نداشت" [2]

(ترجمہ) لکھتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ۔ یہ لوگ بدعتِ حسنہ ان نیک کاموں کو کہتے ہیں جو حضورِ اکرمؐ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں نہ تھے اور ان کے کرنے سے کوئی سنّت نہ اٹھتی ہو اور بدعتِ سیئہ وہ ہے جس کے کرنے سے کوئی سنّت ترک ہوتی ہو۔ یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت نہیں دیکھتا (بدعت کوئی بھی ہو اس میں) سوائے اندھیرے اور کدورت کے اور کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ کسی بدعتی کے عمل میں (باطن کی) آنکھوں کی کمزوری کے باعث اگر آج کچھ رونق اور تازگی بالفرض دکھائی بھی دے تو کل (آخرت میں) جب نگاہیں تیز ہوں گی پتہ چل جائے گا کہ ان کا نتیجہ نقصان اور شرمندگی کے سوا کچھ نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

اس زمانہ کے اکثر خواص و عوام اداء نوافل میں بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور فرائض کی ادائیگی میں سست ہیں۔ فرائض سے متعلق سنن و مستحبات کا لحاظ نہیں رکھتے۔ نہ فرائض کو مستحب اوقات میں ادا کرتے ہیں نہ تکبیرِ اُولیٰ کی فضیلت کا لحاظ رکھتے ہیں بلکہ خود جماعت کی پابندی برائے نام

---

[1] مکتوبات دفتر دوم مکتوب نمبر ۲۳ صفحہ ۳۷ [2] مکتوبات دفتر۔ مکتوب ۱۶۹، صفحہ ۱۸۶

ہے۔ فرض نماز جس طرح ادا ہو جائے اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں البتہ روزِ عاشورہ، شبِ برات، ۲۷ ماہِ رجب اور ماہِ رجب کے پہلے جمعہ کی رات کا پورا پورا اہتمام کرتے ہیں۔ لیلۃ الرغائب ان کا نام رکھا ہوا ہے۔ بڑی فکر اور انتظام سے ان راتوں میں باجماعت نفل ادا کرتے ہیں اور اس کو ثواب سمجھتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ یہ شیطان کا فریب ہے کہ برائیوں کو نیکیوں کی صورت میں پیش کرتا ہے[1]

خوشی اور غمی کے طریقوں میں بھی ہندوانہ رسمیں راہ پا چکی تھیں اور بدعتی لوگ حضورؐ اور صحابہؓ کے طریقوں سے بہت بے پرواہ ہو چکے تھے۔ بدعات کے اس فروغ نے آئندہ شرک کی راہیں کھول دیں اور اسلام کے نام پر مسلمانوں کے اعمال میں شرک راہ پانے لگا۔ علماءِ حق اُٹھے اور انھوں نے ہندوانہ رسوم اور عقائد کے خلاف پوری جرأت سے آواز اٹھائی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ کے بیانات

قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں پیر پرستوں کا اچھا خاصہ طبقہ موجود تھا اور وہ اسلام کے نام پر بہت سے ایسے کام کرتے تھے جو قرآن و حدیث کی روشنی میں شرک تھے۔ اسی طرح کچھ ایسے افعال بھی مسلمانوں میں راہ پا چکے تھے جن میں شرک و بدعات کی آلائش تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے بھتیجے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ہی نہیں جنھوں نے سب سے پہلے اس بگڑتے اسلام کے خلاف آواز اُٹھائی۔ خود حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ان پیر پرستوں کے خلاف آواز اُٹھا چکے تھے جو اپنے پیروں کے عمل کے بہانے مسلمانوں کو کتاب و سنت کی روشنی سے دُور رکھنا چاہتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب اہلِ بدعت کا ذکر کرتے ہیں:

"چہارم پیر پرستان گویند....... وازاں جملہ اند کسانیکہ در ذبح و نذر و قربانی با خدا دیگراں را ہمسرے کنند وازاں جملہ اند کسانیکہ در نام نہادن خود را بندہ فلاں و عبد فلاں مے گویند وایں شرک در تسمیہ است"[2]

---

[1] مکتوبات دفتر اوّل مکتوب ۲۸۸، ص ۳۹۴

[2] تفسیر فتح العزیز ص ۵۸

(ترجمہ) "چہارم پیر پرست کہتے ہیں ... اور انہی میں سے وہ لوگ ہیں جو ذبح کرنے میں اور نذر اور قربانی دینے میں خدا کے ساتھ اوروں کو بھی ملاتے ہیں اور انہی میں سے وہ ہیں جو نام رکھنے میں اپنے کو فلاں کا بندہ اور عبد فلاں کہتے ہیں یہ نام رکھنے میں شرک کی راہ چلنا ہے۔

پھر ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :

"وبعضے از ایشاں با صورہ وہیاکل وقبور ومعابد ومساکن ومجالس آنہا افعالے کہ در مسجد وکعبہ برائے خدا باید کرد بعمل مے آرند مانند سر بزمین نہادن وگرد اگرد گشتن ودست بستہ بصورت استقبال قبلہ در نماز ایستادن [1]

(ترجمہ) ان میں سے بعض تصویروں، مجسموں، قبروں، عبادتگاہوں، رہنے کی جگہوں اور ان کی مجلسوں میں وہ کام کرتے ہیں جو مسجد وکعبہ میں صرف خدا کے لیے ہونے چاہئیں جیسے سر زمین پر رکھنا (سجدے کی شکل بنانا) اور گرد اگرد گھومنا (جیسے طواف ہوتا ہے) اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا جس طرح نماز میں ہاتھ باندھ کر قبلہ رو کھڑے ہوتے ہیں (جیسے سلام پڑھتے وقت ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں)

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس قسم کی عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنے وقت میں شرک وبدعت کے خلاف جو آواز اُٹھائی خود حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے بھی یہی تھی اور وہ اپنے وقت کے ان قبر پرست بدعتیوں کے خلاف اس اصلاحی کوشش کا آغاز کر چکے تھے جسے حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اوجِ تکمیل سے ہمکنار کیا ؎

نہ من تنہا دریں مے خانہ مستم
جنید و شبلی و عطار ہم مست

---

[1] تفسیر فتح العزیز صـ ۶۷

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی محنت

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے دیکھا کہ ہند و نظریات اسلام کے نام پر توحید و سنّت کے چشمۂ صافی کو گدلا کر رہے ہیں تو انھوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں عوامی اصلاح و ارشاد کی مہم چلائی۔ اس آوازِ حق کے جواب میں اُنھیں بہت کچھ سُننا پڑا لیکن مخالفت ان کے پائے استقلال میں لرزہ پیدا نہ کر سکی ؎

ہوا تھی گو تُند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا
وہ مردِ درویش حق نے جس کو دیے تھے اندازِ خسروانہ

حضرت شاہ صاحبؒ کو اس سلسلے میں کن حالات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا، اس کا اندازہ آپ اس وقت کے حالات سے بآسانی کر سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں :

"بعضے عوام الناس کہتے ہیں کہ اولیا کو اللہ نے یہ طاقت بخشی ہے کہ تقدیر کو بدل ڈالیں جس کی تقدیر میں اولاد نہیں اس کو اولاد دے دیں جس کی عمر تمام ہو چکی اس کی عمر بڑھا دیویں سو یہ بات کچھ صحیح نہیں بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ اللہ اپنے ہر بندہ کی کبھی دعا قبول بھی کر لیتا ہے"

پھر ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :

"اپنے بزرگوں کے حق میں یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ خدا تعالیٰ سے مل کر ایک ہو گئے تھے یا خدا ان میں سما گیا تھا، نصاریٰ کے ہندوؤں کی طرح اور مُردوں سے حاجتیں مانگنا اور ان کی مَنّتیں ماننا، کفار کی راہ اور اپنے باپ دادے کی راہ اور رویّہ کو خلافِ خدا اور رسول کے اختیار کرنا اور ان کے رسم و رسوم کو مقدم سمجھنا اگلے کافروں اور ہندوؤں کی راہ اور اپنے نسب پر فخر کرنا ...... تاریخ اور دن اور ساعت وغیرہ کی نحوست و سعادت ماننا، بزرگوں کی تصویروں کی تعظیم کرنا

تیجہ، دسواں، چالیسواں اور برسی مُردوں کی کرنا اور چیچک کی بیماری میں مُبتلا بھوانی کا ماننا اور چھوت وغیرہ کا لحاظ کرنا۔[1]

اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ہندو رسم و رواج اور ہندو عقائد کس طرح دین اسلام سے ناواقف مسلمانوں کو حضور اکرمؐ اور صحابہ کے اسلام سے دُور کر رہے تھے۔

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے اہل اسلام کو ہندو ذہنیت کے اسلام سے نکالنے اور توحید اسلام کو شرک کی ہر آلائش سے پاک رکھنے کے لیے کمر ہمت باندھی اور ہر طرح کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے قرآن و حدیث کی نصوص پر تقویۃ الایمان تالیف فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو بہت مقبولیت بخشی۔ اب تک یہ کتاب تقریباً ۱۳۵ دفعہ چھپ چکی ہے۔ اس کے دوسری زبانوں میں ترجمے بھی ہوئے اور لاکھوں انسان اس کے ذریعہ ہندوانہ اسلام سے بچ گئے۔ جن لوگوں نے اس کے جواب میں رسالے لکھے۔ ان میں سے بیشتر طباعت کی منزل تک بھی نہ پہنچ سکے اور جو چند تحریریں شائع بھی ہوئیں وہ بھی ایک آدھ اشاعت سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ تقویۃ الایمان اب بھی لاکھوں کی تعداد میں پڑھی جا رہی ہے اور اس کی مخالفت سوائے ایک لکیر پیٹنے کے اور کچھ درجہ نہیں رکھتی۔ کتاب کی مقبولیت اس کے حامیوں سے نہیں اس کے مخالفین سے پوچھیے۔

تقویۃ الایمان کی مقبولیت

تقویۃ الایمان کی مقبولیت اور اس کے اثرات کے بارے میں مولوی احمد رضا خاں صاحب کے خلیفہ خاص مولوی نعیم الدین مراد آبادی (۱۳۶۸ھ) کی شہادت لیجئے:

"تقویۃ الایمان بہت زیادہ مشہور رہی ہے اور اس کی بکثرت اشاعت کی گئی

---

[1] تذکیر الاخوان ص علامہ ابوریحان البیرونی (ھ) ہندوستان کے حالات میں ہندوؤں کی رسموں میں لکھتے ہیں کہ وہ اپنے فوت شدگان کو ایصال ثواب کرنے میں خاص خاص تاریخوں پر اعتقاد رکھتے تھے اور انہی تاریخوں پر ختم کرتے تھے۔

ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں چھپ کر ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچ چکی ہے

...... اس کے پراپگینڈے سے ہزارہا بلکہ لاکھوں آدمی .... ہوگئے"[۱]

اس کتاب سے گمراہی پھیلی یا ہدایت۔ یہ اس بحث کا موضوع نہیں لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرتا کہ اس کتاب نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو متاثر کیا۔ یہ کتاب بار بار چھپتی رہی اور کئی کئی زبانوں میں چھپی۔ انگلستان میں اس کا انگریزی ترجمہ تقریباً ہر پڑھے لکھے گھر میں موجود ہے۔ تقویۃ الایمان ۱۸۳۹ء میں کئی کاتب لکھ چکے تھے۔ اس وقت سے اس کی اشاعت برابر ہو رہی ہے اور ہر سال بڑھتی چلی جاتی ہے لیکن اس کے جواب میں جو کتابیں لکھی گئیں ان کا کیا حشر ہوا اس کی کہانی خود مولوی نعیم الدین صاحب سے ہی سنیئے اور ان مخالفین کی بے چارگی اور کسمپرسی کی داد دیجیے۔ مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں:

"علماء اسلام نے اس کتاب کے متعدد رد لکھے، تحریر و تقریر سے اس کے مفاسد کا اظہار فرمایا لیکن نہ معلوم کس وجہ سے وہ رد چھپ نہ سکے اور قلمی کتاب کی اشاعت ہی کیا ہو سکتی ہے"[۲] مُدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

علماء حق کی کتابوں کی مقبولیت پر اہل بدعت کا واویلا

ماہنامہ المیزان بمبئی کے احمد رضا نمبر کے اداریہ میں لکھا ہے:

علامہ سید مدنی میاں برطانیہ کے تبلیغی دورے پر تھے تو بلجیئم بھی جانا ہوا۔ میزبان نے جو آپ کا نیازمند تھا اپنے فرزند سے کہا کہ وہ کتاب حضرت کو دکھاؤ جو تمہارے مطالعہ میں ہے۔ صاحبزادہ نے فرنچ زبان میں بہشتی زیور لا کر سامنے رکھ دی۔ جس کے ٹائٹل پر نام نہاد حکیم الامت کو امام اہل سنت لکھا تھا۔ تحیر، تاسف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ

---

[۱] اطیب البیان ص۶ [۲] اطیب البیان ص۵ مطبوعہ ۱۹۷۳ء

مدنی میاں دیر تک عالم خیال میں کھو گئے ہے

مولوی نعیم الدین تو حیران ہیں کہ تقویۃ الایمان کے رد کیوں نہ چھپ سکے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تقویۃ الایمان کی مقبولیت اور بڑھتی چلی جارہی ہے۔ اب تک یہ کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے اور اس کا انگریزی ترجمان انگلستان میں آج گھر گھر موجود ہے۔ ہمیں اس پر کبھی حیرت نہیں ہوئی۔ قرآن کریم میں ہے:

کلمة طیبة کشجرة طیبة اصلها ثابت وفرعها فی السماء [۲]

(ترجمہ) بات ستھری ایک ستھرے درخت کی طرح ہے جس کی جڑ قائم ہوتی ہے اور ٹہنیاں آسمان تک پہنچتی ہیں۔

اور یہ بھی فرمایا:

ومثل کلمة خبیثة کشجرة خبیثة ن اجتثت من فوق الارض ما لها من قرار

(ترجمہ) اور گندی بات ایسی ہے جیسا گندا درخت اکھڑا ہوا زمین کے اوپر اُسکو قرار نہیں۔

مدنی میاں کا علاج کیا ہو؟ ان آیات کو تلاوت کرکے مدنی میاں کو دم کیا جائے تو ممکن ہے وہ عالم خیال سے پھر واپس آجائیں، کچھ عرصہ ہوا وہ بہشتی زیور کا فرانسیسی ترجمہ دیکھ کر عالم خیال میں کھو گئے تھے۔

بعض حضرات تقویۃ الایمان کے طرز بیان میں شدت کی شکایت کرتے ہیں۔ حقیقت حال یہ نہیں، تقویۃ الایمان کو ذرا غور سے دیکھئے انشاء اللہ العزیز بہت سے شبہات از خود دھلتے جائیں گے۔ نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اس قسم کے چند سوالات ماہنامہ الجمعیت برمنگھم کے ۷۶ء کے فائل سے لے کر انہیں ان کے جوابات کے ساتھ یہاں بھی ہدیہ قارئین کریں۔ یہ پرچہ ان دنوں جمعیت علماء برطانیہ کی سرپرستی میں نکلتا تھا۔

---

[۱] ماہنامہ المیزان احمد رضا نمبر ص ۲۷ [۲] پ ۱۳ ابراہیم ع ۴

ماہنامہ الجمعیت برمنگھم کے باب الاستفسارات کے چند نقوش

مکرمی بندہ جناب علامہ صاحب السلام علیکم مجھے آپ کے جواب سے بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ میں نے پہلے تقویۃ الایمان کو غور سے نہ پڑھا تھا۔ اب بہت سی باتوں میں میری تسلی ہوگئی ہے لیکن ایک بات جو دل کو کھٹکتی ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کے بارے میں بھی آپ سے سوال کروں۔ اُمید ہے آپ ناراض نہ ہوں گے، میری یہ بھی عرض ہے کہ اس سوال کا جواب مجھے جلد ارسال فرمادیں اور اسے الجمعیت کی آئندہ اشاعت تک ملتوی نہ رکھیں۔ الجمعیت میں یہ مضمون دیر سے بھی آجائے تو کوئی حرج نہیں مگر مجھے ان جوابات کی جلد ضرورت ہے۔ والسلام

مولانا شہیدؒ کے طرزِ بیان پر ایک سوال

مولانا اسمٰعیل دہلوی کا طرزِ بیان کچھ سخت معلوم ہوتا ہے۔ وہ کئی جگہ انبیاء و اولیاء اور جنّ و شیطان اور بھوت پری سب کو ایک فہرست میں ذکر کر جاتے ہیں حالانکہ وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کی بڑی شان ہے پھر ان کے ساتھ بھوت پریت کا ذکر میری سمجھ میں نہیں بیٹھتا۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> "شرک اسی پر موقوف نہیں کہ کسی کو اللہ کے برابر سمجھے اور اس کے مقابل جانے بلکہ شرک کے معنی یہ ہیں کہ جو چیزیں اللہ نے اپنے واسطے خاص کی ہیں اور اپنے بندوں کے ذمے نشانِ بندگی کے ٹھہرائے ہیں وہ چیزیں کسی اور کے واسطے کرنی جیسے سجدہ کرنا...... اس بات میں اولیاء و انبیاء میں اور جنّ و شیطان میں اور بھوت پری میں کچھ فرق نہیں یعنی جس سے کوئی یہ معاملہ کرے گا وہ مشرک ہو جائے گا۔ (تقویۃ الایمان ص۸)

پھر آگے ایک دوسری بحث میں لکھتے ہیں :

"عالم (جہان) میں ارادہ سے تصرف کرنا اور اپنا حکم جاری کرنا اور اپنی خواہش سے مارنا اور جلانا (زندہ کرنا) روزی کی کشائش اور تنگی کرنی اور تندرست اور بیمار کر دینا، فتح و شکست دینی، اقبال (خوش قسمتی) و ادبار (بد قسمتی) دینا، مرادیں پوری کرنی، حاجتیں برلانی، بلائیں ٹالنی، مشکل میں دستگیری کرنی، برے وقت میں (مصیبت کے وقت) پہنچنا، یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی انبیاء اور اولیاء کی پیر و شہید کی، بھوت پری کی یہ شان نہیں (کہ اپنے ارادہ سے جہاں میں اس طرح تصرف کرے)"

مولانا اسمٰعیل نے نسک سُنی العقیدہ: میں ہرگز میں نہیں سمجھ سکا کہ ہمارے اہل سنت والجماعۃ اہل حق کے مستند بزرگوں نے بھی کبھی انبیاء و اولیاء کو اس عام فہرست میں ذکر کیا ہے ۔ بینوا توجروا

نیازمند ...... مجاہد

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس زمانے میں ایسے سعادت مند بہت کم ہیں جو ان مسائل میں طلب حقیقت کے لیے دخل دیں اور بات کو سمجھنے کی کوشش کریں، ان مسائل کو اچھالنے والے زیادہ تر وہ لوگ ہوتے ہیں جو ضد اور جہالت پر اڑے ہوئے فرقہ بندی کی راہیں تراشتے رہتے ہیں نہ وہ مراد متکلم (بات کہنے والے کی مراد) کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نہ وہ کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ بات کیا اس سے پہلے بھی کسی نے کہی ہے، آپ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق بات معلوم کرنے کی سعادت بخش رکھی ہے۔

محترم! فرقہ بندی ملت کو ہلاک کرنے والی چیز ہے اس سے احتراز کرنا چاہیے۔ حق تعالیٰ سب کو توفیق بخشیں کہ حق بات کو قبول کرنے میں فرقہ بندی کو آڑے نہ آنے دیں۔

عبادت کے لائق نہ ہونے میں سب مخلوق برابر ہے

محترم! آپ جب تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے تو کیا اس سے یہ بات از خود لازم نہیں آجاتی کہ جس طرح مٹی اور پتھر کے بُت خدا کے شریک نہیں ہو سکتے، آگ لیعہ پانی خدا کے شریک نہیں ہو سکتے، سُورج اور چاند عبادت کے لائق نہیں ہو سکتے، انبیاء اور اولیاء بھی اللہ تعالیٰ کے شریک نہیں ہو سکتے؟ اللہ تعالیٰ کے لاشریک ہونے میں نفی عام ہے اور عام اپنے جمیع افراد کو شامل ہوتا ہے خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے۔ خدا کا شریک ان میں سے کوئی نہیں۔ بیانِ توحید کے لیے خدا کے سوا ہر ایک کی خدائی کی نفی کرنی ہوگی اور اس میں شرعاً کوئی عیب نہیں، نہ کسی کی بے ادبی ہے، درجہ اور مقام ہر مخلوق کا اپنا اپنا ہے لیکن خدا نہ ہونے میں سب چھوٹے بڑے برابر ہیں اور خدا نہ ہونے میں انبیاء و اولیاء اور باقی مخلوقات میں کوئی فرق نہیں، ان میں کوئی نہیں جسے خدا یا خدائی صفات کا مالک کہہ سکیں، نہ کوئی چھوٹا خدا کا شریک ہے نہ کوئی بڑا۔ اللہ تعالیٰ ہر شریک سے بالاذات ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یہی لا الٰہ الا اللہ کی آواز ہے۔

اس ایک بات میں سب مخلوقات کے برابر ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ سب مخلوق درجے میں بھی ایک دُوسرے کے برابر ہوں (معاذ اللہ) کُجا ادنیٰ مخلوق کا درجہ اور کُجا انبیاء و اولیاء کی شان۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو وہ رفعت اور شان بخشی ہے جو کسی فرشتے کو بھی نہیں اور پھر امام الانبیاء اور جمیع اولادِ آدم کے سردار کی شان تو سب سے زیادہ ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

لیکن یہ حقیقت ہے کہ خدا نہ ہونے میں سب برابر ہیں۔

اس فہرست میں حضرت عیسیٰ بن مریم کا ذکر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت جلیل القدر پیغمبر ہیں، صاحب کتاب اور صاحب شریعت ہیں۔ کلمۃ اللہ ان کی شان اور روح منہ ان کی صفت ہے۔ بایں ہمہ درجہ اور مقام اللہ تعالیٰ نے انھیں اس فہرست میں ذکر فرمایا جو ان اہل کتاب نے اپنے معبودوں کی بنا رکھی تھی۔ قرآن کریم نے یہود ونصاریٰ کے شرک کو بیان کرتے ہوئے جہاں یہ بات بیان کی ہے کہ انھوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کو خدا کے ساتھ شریک کر رکھا تھا تو اس کے ساتھ ہی حضرت عیسیٰ بن مریم کا ذکر فرمایا ہے کہ انھوں نے انھیں بھی خدا کے ساتھ شریک کر رکھا ہے۔ یہودیوں کے مولویوں اور پیروں کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر کرنے سے یہ گمان پیدا نہیں ہوتا، کہ معاذ اللہ اُن کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درجہ ایک ہے تو انبیاء و اولیاء جن اور شیطان اور بھوت پری سے خدائی کی نفی کرنے سے یہ گمان کیوں پیدا ہو کہ معاذ اللہ ان کا درجہ ایک ہے حاشا و کلا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ بات حق اور درست ہے کہ خدا نہ ہونے اور خدائی صفات کا مالک نہ ہونے میں سب مخلوق برابر ہیں۔ یہود کے احبار نصاریٰ کے درویش اور حضرت عیسیٰ بن مریم سب ایک فہرست میں ہیں کہ ان میں سے خدا کوئی نہیں سب خدا کے عاجز بندے ہیں اور اس کی مخلوق باقی درجہ اور مقام ہر ایک کا اپنا اپنا ہے اور اس اعتبار سے وہ ایک فہرست کے رکن نہیں حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے ایک فہرست میں انھیں صرف اس بات میں ذکر کیا ہے کہ عبادت کے لائق نہ ہونے میں سب مخلوق برابر ہیں۔

محترم! آپ نے حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی جو عبارت تحریر فرمائی ہے اگر آپ اس سے ذرا آگے بھی مطالعہ فرما لیتے تو آپ کو یہ آیت وہیں مل جاتی کہ اللہ تعالیٰ نے اس عام فہرست میں

حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بھی ذکر فرمایا ہے اور اس میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اس باقی مخلوقات کے ساتھ مقام و مرتبہ میں برابر ہونے کا کوئی ایہام پیدا نہیں ہوتا۔ اس اگلی عبارت کو دیکھ لینے سے حضرت شاہ صاحبؒ کی مراد بھی آپ کے سامنے کھل جاتی اور پھر سوال کی ضرورت بھی باقی نہ رہتی۔ آپ کی پہلی پیش کردہ عبارت کے آگے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

"جس سے کوئی یہ معاملہ کرے گا وہ مشرک ہو جائے گا خواہ انبیاء و اولیاء سے خواہ پیروں اور شہیدوں سے خواہ بھوت اور پری سے۔ چنانچہ اللہ صاحب نے جیسا بُت پُوجنے والوں پر غصہ کیا ہے ویسا ہی یہود و نصاریٰ پر حالانکہ وہ یہ معاملہ (شریک ٹھہرانے کا) انبیاء و اولیاء سے کرتے تھے۔ چنانچہ سورۃ برأت (توبہ) میں فرمایا:

اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابًا من دون اللہ والمسیح بن مریم (پ توبہ ع ۵)

(ترجمہ) ٹھہرایا انھوں نے اپنے مولویوں اور درویشوں کو مالک (رب) اپنا ورے اللہ سے اور مسیح بیٹے مریم کو۔ تقویۃ الایمان ص۸

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ قرآن کریم نے اس ایک فہرست میں حضرت عیسٰی بن مریم کو ذکر کر کے اُنھیں یہود و نصاریٰ کے مولویوں اور پیروں کے برابر کر دیا؟ یا حضرت عیسٰی علیہ السلام کی توہین کر دی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ وہ صرف خدا نہ ہونے میں باقی مخلوق کے ساتھ شریک ہیں اپنے درجے اور کمالات میں نہیں شاہ اسمٰعیل شہیدؒ بھی یہی کہتے ہیں کہ خدائی صفات کا مالک نہ ہونے میں ہر مخلوق خواہ انبیاء و اولیاء ہوں یا بھوت اور جن سب عاجز اور محتاج ہیں، کوئی خدائی قدرتوں کا مالک نہیں۔ سمجھنے کے لیے فہم اور سلیقہ ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ نیت بھی بات سمجھنے کی ہو فرقہ بندی کرنے کی نہ ہونی چاہیے۔

توحید کے ذکر میں یہ پیرایہ بیان

توحید کے ذکر میں یہ پیرایہ بیان ہمیں سلف سے بھی ملتا ہے۔ امام مسلمؒ (۲۶۱ ھ) نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۰ ھ) سے روایت کی کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ سب اولادِ آدم کے دل اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور تصرف سے کوئی مخلوق باہر نہیں۔ ہر مخلوق بڑی ہو یا چھوٹی اس کے آگے عاجز اور اس کے تحت ہے۔ اس حدیث میں ان قلوب بنی آدم کلھا کے لفظ "کل" کے تحت اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلم بزرگ ملا علی قاری (۱۰۱۴ ھ) لکھتے ہیں:

لیشمل الانبیاء والاولیاء والفجرۃ والکفرۃ من الاشقیاء[1]

(ترجمہ) یہ لفظ شامل ہے تمام انبیاء و اولیاء کو اور سب گناہگاروں کو اور بدبخت کافروں کو سب خدا کی قدرت اور تصرف کے تحت ہیں۔ [1] مرقات جلد ۱ صفحہ ۱۶۰

کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ ملا علی قاریؒ نے یہاں گناہگاروں اور بدبخت کافروں کے ساتھ انبیاء و اولیاء کا کیوں ذکر کیا؟ کیا انبیاء و اولیاء بھی باقی سب مخلوق کی طرح خدا تعالیٰ کے دستِ قدرت کے ماتحت نہیں؟ کیا یہ صحیح نہیں کہ ہر فرد مخلوق خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اللہ تعالیٰ کے آگے عاجز اور اس کا محتاج ہے۔

امام احمدؒ اور امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ ھ) سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مانگو تو اللہ سے مانگو۔ مدد مانگنی ہو تو اللہ ہی سے مانگو اور جان لو کہ سب لوگ بھی جمع ہو جائیں کہ تجھے کوئی نفع یا نقصان پہنچائیں تو ہرگز کوئی نفع یا نقصان نہ دے سکیں گے مگر وہی کچھ جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ دیا ہو تقدیر کے قلم اُٹھ

چکے ہیں اور تحریریں خشک ہو چکیں [1]

اس حدیث میں سب لوگوں (جمیع الائمۃ) کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری لکھتے ہیں:

ای جمیع الخلق من الخاصۃ والعامۃ والانبیاء والاولیاء وسائر الامۃ [2]

(ترجمہ) سب لوگ خاص ہوں یا عام، انبیاء ہوں یا اولیاء، سب امت مل کر بھی تیرے کسی نفع یا نقصان کے مالک نہیں۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت ملا علی قاریؒ نے یہاں انبیاء و اولیاء کو باقی سب مخلوق کے ساتھ درجے میں برابر کر دیا۔ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا کیا قصور ہے کہ ان کے پیرایہ بیان کو آپ محض اس لیے سخت سمجھیں کہ انھوں نے انبیاء و اولیاء کے ذکر کے ساتھ بھوت اور پری کا ذکر کیوں کر دیا۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (۹۴۴ھ) مکتوب نمبر ۱۴۳ میں انسان کی محنت کی زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لقد خلقنا الانسان فی کبد (قرآن کریم پ ۳۰) اینجا اولیاء و انبیاء، خواص و عوام برابر اند۔ الدنیا دار محنت و دار بلاء۔ بیان ایں مقام است [3]

(ترجمہ) بیشک ہم نے انسان کو محنت میں پیدا کیا (قرآن کریم) اس جگہ اولیاء و انبیاء خواص و عوام سب برابر ہیں، دنیا محنت کا گھر اور آزمائش کی جگہ ہے۔ یہ اسی موقع کا بیان ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اللہ تعالیٰ کی ان عام نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے جن سے اس نے کسی کو محروم نہیں کیا تحریر فرماتے ہیں:

نعمتہائے عامہ اند کہ غنی و فقیر و وضیع و شریف و عالم و جاہل و مومن و کافر و

---

[1] مشکوٰۃ ص ۴۵۳ [2] مرقات جلد ۱۰ ص ۵۴ [3] مکتوبات حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ ص ۲۷۸

صالح وفاسق دراں یکساں وبرابر اند [1]

(ترجمہ) عام نعمتیں وہ ہیں کہ امیر وغریب چھوٹا بڑا عالم وجاہل، مومن وکافر صالح و فاسق ان میں ایک جیسے اور برابر ہیں۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی باتوں کو آپ کتنا ہی سخت کیوں نہ کہیں۔ آپ تسلیم کریں گے کہ یہ سب اصول شریعت کے ماتحت اور سخت بھی ہوں تو اس سے زیادہ سخت نہیں جو مولوی احمد رضا خاں صاحب کے والد مرحوم مولانا محمد نقی خاں نے تحریر فرمائی:

تمام انبیاء و مرسلین و ملٰئکہ مقربین اس کے (خدا کے) خوف سے بید کی طرح کانپتے ہیں [2]

اسلام کی تیرہ صدیوں میں کسی عالم دین نے پیغمبروں کو بید کی چھڑی نہیں کہا۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی جب تک محدثین دہلی کے خلاف کمر ہمت نہ باندھی تھی یہی اعتقاد رکھتے تھے کہ خدا نہ ہونے میں سب مخلوق برابر ہیں۔ ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

ایک نکتہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ جو بات شرک ہے اس کے حکم میں احیاء و اموات و انس و جن و ملک تمام مخلوق الٰہی یکساں ہیں کہ غیر خدا کوئی ہو خدا کا شریک نہیں ہو سکتا [3]

پس حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے یہ کہہ کر کہ انبیاء و اولیاء جن و شیطان اور بھوت پری میں سے کوئی خدا کا شریک نہیں اور ان میں سے کوئی عبادت کے لائق نہیں، کوئی زیادتی نہیں کی۔

خدا کی سی قدرت ماننے کے شرکیہ عقیدے کی تردید

اللہ تعالیٰ نے اپنی عطا سے بھی کسی مخلوق کو حقیقی طور پر اپنی سی قدرتوں کا مالک نہیں بنایا کہ جب چاہیں جو چاہیں اور جس کے لیے چاہیں اپنی حقیقی طاقت سے کر دکھائیں۔ نہ خدا نے کسی مخلوق کو اپنے علم کی سی شان دی ہے کہ جب چاہے بغیر خدا کے بتلائے غیب کی ہر بات معلوم

[1] تفسیر فتح العزیز صـ۱۷ [2] ہدایۃ البریہ صـ۴ حسنی پریس دہلی [3] حیات الموات صـ۱۸

کرلیا کرے۔ نہ یہ درست ہے کہ انسان کسی مخلوق کے بارے میں خدا کی سی یہ قدرت اور خدا کا سا علم مانتے ہوئے اس کی صورت (شکل) کا خیال باندھے۔ پہلی صورت مخلوق کو خدا کی قدرت میں شریک کرنا ہے اور دوسری صورت مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے علم میں شریک کرنا ہے اور تیسری صورت اس کی مخلوق کو اس کی عبادت میں شریک کرنے کی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی مخلوق کے بارے میں اس قسم کا اعتقاد رکھے کہ اس میں خدا کی سی قدرت یا خدا کا سا علم پایا جاتا ہے اور عبادت میں اسکا دھیان باندھنا اور نیت کرنا جائز سمجھے تو اس کا مسلمان ہونا کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے اللہ کا سا علم کسی مخلوق کے لیے ثابت کرنا شرک بتلایا ہے۔ لکھتے ہیں:

"اس کی صورت کا دھیان باندھے اور یوں سمجھے کہ جب میں اس کا نام لیتا ہوں، زبان سے یا دل سے یا اس کی صورت کا یا اس کی قبر کا خیال باندھتا ہوں تو وہیں اس کو خبر ہو جاتی ہے اور اس سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہتی اور مجھ پہ جو احوال گزرتے ہیں جیسے بیماری اور تندرستی و کشائش و تنگی و مرنا و جینا، غم و خوشی سب کی ہر وقت اُسے خبر ہے اور جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے وہ سُن لیتا ہے اور جو خیال و وہم میرے دل میں گزرتا ہے وہ سب سے واقف ہے سو ان باتوں سے شرک ہو جاتا ہے اور اس قسم کی باتیں سب شرک ہیں اس کو اشراک فی العلم کہتے ہیں یعنی اللہ کا سا علم اور کو ثابت کرنا۔ اس عقیدے سے آدمی مشرک ہو جاتا ہے [۱]

خدا تعالیٰ نے کسی کو اپنی صفات میں شریک نہیں کیا۔ نہ کسی کو مستقل طور پر یہ قدرت بخشی ہے کہ اب اسے غیب کی کوئی بات معلوم کرنے میں خدا کے بتلانے کی ضرورت نہ رہے جب چاہے اور جو چاہے از خود معلوم کرلیا کرے اور ہر ہر جزئی کے معلوم کرنے میں وہ خدا کا محتاج

---

[۱] تقویۃ الایمان صفحہ ۹ ارشد القادری صاحب نے اپنی کتاب زلزلہ کے صفحہ ۵۵ (ایڈیشن دوم) پر تقویۃ الایمان کی یہ عبارت نقل کرتے ہوئے یہ الفاظ کہ "اللہ کا سا علم اور کو ثابت کرنا" ارادۃً چھوڑ دیئے ہیں۔

نہ ہو اللہ تعالیٰ نے حقیقی طور پر اسی طرح کسی کو غیب دانی کا مالک نہیں بنایا نہ غیب کی کنجیاں[۱] اس نے کسی کے حوالے کی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو لاکھوں کروڑوں غیوب پر مطلع فرمایا اور انھوں نے بھی ہزار ہا غیب کی باتیں اپنے اُمتیوں اور ساتھیوں کو بتلائیں لیکن وہ سب ایک ایک اطلاع خدا سے پاتے تھے اور ایک ایک بات معلوم کرنے میں وہ خدا کے محتاج تھے۔ یہ درست ہے کہ ان کا جبلی نور بھی ان حقائق کا ادراک کر لیتا تھا لیکن یہ بات بھی صحیح ہے، کہ وہ غیب دانی کے مالک نہ تھے کہ اب غیب کی بات کو جاننے میں وہ خدا کے محتاج نہ رہے ہوں غیبی جزئیات کو جان لینا خواہ وہ کروڑوں ہوں اور بات ہے اور غیب دانی کی کنجیوں کو اپنے ہاتھ میں لے لینا کہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں چابی لگالیں اور معلوم کرلیں یہ اور بات ہے۔[۲]

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ جب کہتے ہیں کہ اللہ کے دینے سے بھی کوئی غیب دانی کا مالک نہیں ہوتا۔ اس سے ان کی مراد ان امورِ غیبیہ کی نفی ہرگز نہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنے مقربین کو مختلف موقعوں اور ضرورتوں پر اطلاع بخشی ہے۔ وہ صرف عطاءِ مستقل کی نفی کر رہے ہیں کہ کسی کو یہ قوت عطا ہو جائے کہ جب چاہے اور جو چاہے از خود معلوم کر لیا کرے اور ہر ہر بات کے جاننے میں وہ خدا کا محتاج نہ ہوا کرے۔ کسی صفت سے حقیقی طور پر متصف ہو جانا خواہ خدا کے دینے سے ہی ہو اس میں آئندہ خدا سے احتیاج نہیں رہتا اور یہ ہرگز درست نہیں۔ خدا تعالیٰ کی شانِ صمدیت کا تقاضا ہے کہ ہر مخلوق کو اس کی ضرورت اور احتیاج رہے بے نیازی صرف اسی کی شان ہے اور کوئی بے نیاز نہیں ہے۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب خود تسلیم کرتے ہیں کہ حقیقی کی ایک قسم عطائی بھی ہے۔ لہٰذا ان کے پیرو جب کہیں عطائی قدرت یا عطائی علم کا اقرار کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد عام طور پر

۱؎ عندہ مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو پ الانعام ع ۲؎ دیکھئے تقویۃ الایمان ص

حقیقی قدرت اور حقیقی علم ہوتا ہے جس میں اب ایک ایک پہ قدرت یا ایک ایک جزئی کا علم از خود قائم ہے۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ عطاء الٰہی سے بھی حقیقی طور پر کسی مخلوق کو غیب دانی کا مالک نہیں سمجھتے وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ انسان ہر ہر بات کے جاننے میں خدا کے بتلانے کا محتاج ہے۔ اس سے کوئی مخلوق بڑی ہو یا چھوٹی بے نیاز نہیں۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں:

"حقیقی بھی دو قسم ہے۔ ذاتی، کہ خود اپنی ذات سے بے عطاء غیر ہو اور عطائی کہ دوسرے نے اسے حقیقۃً متصف کر دیا ہو خواہ وہ دوسرا خود بھی اس وصف سے متصف ہو، جیسے واسطہ فی الثبوت میں۔ یا نہیں جیسے واسطہ فی الاثبات میں" الامن والعلی ص۱۵

واسطہ فی الثبوت کی مثال آگ اور لکڑی کی ہے، لکڑی آگ میں ڈالنے سے آگ ہی بن جاتی ہے گو وہ پہلے اپنی ذات میں آگ نہ تھی بہ عطاء غیر وہ آگ بنی جو پہلے آگ تھی۔ اس نے اسے بھی اس وصف سے متصف کر دیا۔ اب اس کا آگ ہونا ایک عطائی صفت ہے لیکن ہے حقیقی کہ آگ آگ میں حقیقت کے لحاظ سے اب کوئی فرق نہیں۔ خدا تعالیٰ کی قدرتوں یا اس کے سے علم سے عطائی حقیقی طور پر بھی کوئی متصف نہیں کہ اب اسے اس کی طاقت اور اس کے علم کی احتیاج نہ رہے۔ واسطہ فی الاثبات کے الفاظ خاں صاحب نے غلط استعمال کئے ہیں۔

جو لوگ عطاء الٰہی کی اوٹ میں اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقی طور پر انبیاء و اولیاء میں موجود سمجھتے ہیں مولانا اسمٰعیل شہیدؒ ان سے اختلاف رکھتے ہیں وہ عطاء الٰہی سے بھی کسی مخلوق کو حقیقی طور پر غیب دانی کا مالک تسلیم نہیں کرتے وہ جب عطائی علم کی نفی کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد یہ حقیقی ہے کہ اس کے بعد دینے اور لینے والے میں بلحاظ حقیقت کوئی فرق نہ رہے۔ باقی رہا خدا تعالیٰ کے بتلانے سے کسی غیب کی بات کو جان لینا سو شاہ صاحبؒ اس سے انکار نہیں کرتے۔ اس سے زیادہ کسی بات کو معلوم کر لینا یا اس کی تفصیل کو پا لینا آپ کے عقیدے میں یہ کسی کے بس میں نہیں۔

اللہ نے جتنا دیا اس سے زیادہ معلوم کر لینا

اگر کچھ بات اللہ نے کسی اپنے مقبول بندے کو وحی یا الہام سے بتائی کہ فلانے کام کا انجام بخیر ہے یا بُرا۔ سو وہ مجمل بات ہے اس سے زیادہ معلوم کر لینا اور اس کی تفصیل دریافت کرنی (تفصیل کو پالینا) ان کے اختیار سے باہر ہے [1]

اس عبارت سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ کو انبیاء و اولیاء کی اس اطلاع علی الغیب سے کہیں انکار نہیں جو اللہ تعالیٰ نے انھیں وحی یا الہام سے بخشی وہ جس بات کی تردید کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیب دانی کسی مخلوق کے قبضے میں دی ہو کہ جب چاہے اللہ کے تبلائے بغیر کسی غیب کی بات کو پا لیا کرے۔

مخلوق کی طرف دھیان باندھنے کی شرکیہ صُورت

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے ذمہ ایک یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ آپ نے نماز میں کسی بزرگ یا حضورؐ کے خیال آنے کو بدترین صورت اعتقاد تبلایا ہے اور ادنیٰ مخلوق کے خیال آنے کو اس سے کم بُرا کہا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے آپ حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت پر پھر غور فرمائیں جو تقویۃ الایمان کے حوالے سے ابھی گزری ہے اور اس کے ان ابتدائی الفاظ پر پوری توجہ فرمائیں۔

اس کی صورت کا خیال باندھے اور یوں سمجھے کہ جب میں اس کا نام لیتا ہوں۔ زبان سے یا دل سے یا اس کی صورت کا یا اس کی قبر کا خیال باندھتا ہوں تو وہیں اس کو خبر ہو جاتی ہے اور اس سے میری کوئی چیز چھپی نہیں رہتی ..... سو ان باتوں سے شرک ہو جاتا ہے [2]

---

[1] تقویۃ الایمان ص۲۳ [2] تقویۃ الایمان ص۹

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ یہاں خیال آنے پر نہیں خیال باندھنے پر تنقید کر رہے ہیں خیال باندھنے سے مُراد اس کے سامنے پیش ہونے کی نیت کرنا ہے۔ نماز میں آپ خدا کے سامنے پیش ہونے کی نیت باندھتے ہیں اب اُسے ادھر سے ہٹا کر کسی دوسری طرف باندھ لینا اور اسکی صورت یا اس کی قبر کو اپنے سامنے سمجھنا اور اس میں دھیان جمانا یہ ایک خدا کی عبادت نہیں اس میں شرک کی آلائش ہے۔

مولانا مرحوم پر اعتراض کرنے والے اگر خیال آنے اور خیال باندھنے میں فرق ملحوظ رکھتے تو کوئی اختلاف پیدا نہ ہوتا خیال آنے کو کوئی شخص بُرا نہیں کہہ سکتا تھا۔ صراطِ مستقیم میں اُسے ایک انعام بھی کہا گیا ہے لیکن نماز میں کسی مخلوق کی طرف خود دھیان باندھنا اور خدا سے اپنی نیت کو ہٹا کر اس مخلوق پر لے آنا اسے کوئی مسلمان بھی جائز نہ کہہ سکتا تھا۔ خیال آنے اور خیال باندھنے میں فرق نہ کرنے سے بات کہاں سے کہاں جا پہنچی

۵ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

نماز میں کسی مخلوق کی طرف دھیان باندھنا یہ اس کے لیے انتہائی تعظیم ہے جو اس کی عبادت ہے یہ شرک ہے کسی ادنیٰ مخلوق کی طرف کوئی دھیان نہیں باندھتا نہ اس کی یہ انتہائی تعظیم کسی کے دل میں آتی ہے۔ مشرک لوگ اعلیٰ درجے کی مخلوق کو خدا کی عبادت میں شریک کرتے ہیں۔ معمولی چیزوں کے بارے میں یہ ذہن پیدا نہیں ہوتا نہ ان کا خیال آنے سے ان کی کوئی تعظیم پیدا ہوتی ہے بس خیال آیا اور گیا ان کی طرف کوئی شخص انتہائی تعظیم سے دھیان نہیں باندھتا نہ انھیں کوئی خدا کی عبادت میں شریک کرتا ہے۔

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے تقویۃ الایمان کی اس عبارت میں خیال باندھنے کا لفظ دو دفعہ بیان کیا ہے۔ یہ اس لیے کہ کوئی شخص اسے خیال آنے کے معنی میں نہ لے سکے۔ خیال آنا اور بات ہے اور خیال باندھنا اور بات ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز میں کسی لائقِ تعظیم

مخلوق کی طرف دھیان باندھنا اور اس کے بارے میں وہ عقیدے رکھنا جو مولانا مرحوم نے اس عبارت میں ذکر کیے ہیں شرک کی بڑی واضح صورت ہے جس کے مقابلے میں ہر گناہ اس سے بہر حال چھوٹا ہے۔

صراطِ مستقیم کی عبارت کو سمجھنے کے لیے تقویۃ الایمان کی اس عبارت کو پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے اور خیال آنے اور دھیان جانے میں فرق کرنا اس اعتراض کا بہترین حل ہے۔ ہر بات کی مراد مصنف کے اپنے دائرہ علم کی مطابقت میں طے ہونی چاہیے تصنیف را مصنف نیکو کند بیان کا اصول بہت سے اختلافات میں پوری رہنمائی بخشتا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں تصرف ربانی کے مسئلہ کی بھی وضاحت کر دیں۔

تصرف ربانی میں واسطہ بننا

تصرف ربانی کا واسطہ ہونا شرک نہیں بشرطیکہ اسے خالصتاً امر الٰہی سمجھا جائے بندہ کے اپنے ارادے کا اسمیں دخل نہ مانا جائے اللہ تعالیٰ جس طرح فرشتوں کو اپنے فیض اور تصرف کا واسطہ بناتے ہیں اس طرح بعض اوقات اولیاء کرام کی ارواح قدسیہ سے بھی یہ کام لے لیتے ہیں۔ کاملین کی ارواح مدبرات میں حکماً داخل ہیں اور یہ سب الٰہی تصرف ہے وہ ذات برحق فرشتوں سے بھی اور ارواح قدسیہ سے بھی عالم میں تصرف فرماتا ہے اولیاء اللہ کے اپنے بس میں کسی کا نفع و نقصان نہیں نہ بندوں کے لیے جائز ہے۔ کہ وہ ان ارواح قدسیہ اور اولیاء کرام سے اپنی حاجتیں مانگیں۔ ہاں خدا کے لیے بالکل بجا ہے کہ وہ فرشتوں یا ارواح قدسیہ کو بندوں کی حاجات پوری کرنے کیلئے بھیج دیں بندہ اگر یہ سمجھے کہ یہ اپنے ارادہ اور اختیار سے میری مدد کر رہے ہیں یا میرے نفع اور نقصان کے مالک ہیں۔ تو یہ بے شک شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کے ذریعہ اپنے بندوں کی مرادیں پوری فرمائے اور بندہ ان سے فیض یاب ہو تو یہ شرک نہیں شرک بندے کا فعل ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے اس کے کسی فعل میں شرک کی آلائش نہیں۔

ان دونوں میں فرق نہ کرنے کے باعث بعض جہلاء نے ایسے بہت سے واقعات کو جن میں بعض فوت شدہ بزرگوں کی ارواحِ قدسیہ کا کہیں ظہور ہوا اور انہوں نے بحکم الٰہی کسی کی مدد کی یا کسی کو کسی امرِ غیبی کی خبر دی موجب شرک گمان کر لیا اور بڑے طمطراق سے دعویٰ کیا کہ اس سے اسلام کا وہ عقیدہ توحید جاتا رہا جس کی مولانا اسمٰعیل شہیدؒ تبلیغ کرتے تھے کہ اولیاء اللہ کے اپنے بس میں نہیں کہ کسی شخص کو کوئی نفع یا نقصان دے سکیں یہ جہلاء سمجھ نہ پائے کہ ایسے سب واقعات فعل خداوندی تھے جو ان ارواح کے ذریعے صادر ہوئے بندے نے تو انہیں اپنی مدد ماوراء الاسباب کے لیے نہ پکارا تھا۔ پس یہ شرک کیسے ہو سکتا تھا؟

زلزلہ کے مصنف نے اپنی ناسمجھی سے اولیائے دیوبند کی ارواحِ قدسیہ کے بعض ظہور حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے عقیدہ توحید کے منافی سمجھ لیے اور دعویٰ کیا کہ علماء دیوبند کے ان سیرت نگاروں نے ان جیسے واقعات ذکر کر کے خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے مذہب کا خون کیا ہے۔ مصنف مذکور یہ نہ سمجھے کہ ان واقعات عجیبہ میں یہ کہیں نہیں کہ ان حضرات نے کبھی اولیاء کرام کو اپنی اس مافوق الاسباب مدد کے لیے پکارا ہو۔ مولانا شہیدؒ کے عقائد کو تصویر کا پہلا رُخ قرار دینا اور اولیاء اللہ کی ارواح قدسیہ کے ظہور کو تصویر کا دوسرا رُخ قرار دینا اور دونوں باتوں کو خواہ مخواہ ایک دوسرے سے ٹکرانا اور ایک دوسرے کا معارض بتلانا جہل ہے یا سینہ زوری، علم و انصاف اس کی کہیں اجازت نہیں دیتے یہ دوسری صورت خالصتاً فعل خداوندی ہے جو ان ارواح کے ذریعہ ظہور میں آتا ہے یہ ارواح کرام اپنے اختیار اور ارادہ سے بندوں کی کہیں مدد نہیں کر رہے اور یہ صورت حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے عقیدہ میں ہرگز شرک نہیں۔

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اس عقیدہ میں علمائے دیوبند کے ساتھ ہیں توحید و شرک کے بیان میں انہوں نے جو باتیں کہی ہیں وہ بجا ہیں لیکن ان سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ

اللہ تعالیٰ جب چاہیں اپنے کسی مقرب فرشتہ یا کسی روح کامل کے ذریعہ دنیا میں کسی شخص کی مدد فرمادیں جب یہ مدد اس ولی کے اپنے ارادہ واختیار سے نہ ہو نہ اسے کسی نے اپنی مدد کے لیے ماوراء الاسباب پکارا ہو، بلکہ صرف فعل خداوندی سے اس کا ظہور ہوا ہو تو اس میں کون سی شرک کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض دفعہ ارواح کاملین کو دنیا میں بڑے بڑے انقلابات کا واسطہ بنا دیتے ہیں۔ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ لکھتے ہیں :-

حکیم علی الاطلاق ایشاں را واسطہ در تصرفات کونیہ مے گرداند مثل نزول امطار و نمو اشجار و تقلیب احوال وادوار و تحول اقبال وادبار سلاطین و انقلابات حالات اغنیاء و مساکین۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جو دانائے مطلق ہے ان اولیاء اللہ کو عالم کون کے تصرفات کا واسطہ بناتا ہے بارشوں کا برسنا، درختوں کا اگنا، حالات کا پلٹنا بادشاہوں پر اچھے اور بُرے حالات آنا۔ دولت مندوں اور غریبوں کے حالات کا بدلنا۔ ان جیسے امور میں یہ اولیاء اللہ تصرف کا واسطہ ہو سکتے ہیں؛

حضرت شہیدؒ شرک کی صورت واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

پس آنچہ از تغیرات و تقلبات مذکورہ چہ در اقطار عالم و اطوار بنی آدم حادث مے گردد ہمہ از قدرت کاملہ ایشاں نیست نہ از نتائج طاقت امکانی نہ اینکہ حق جل وعلا ایشاں را قدرت تصرف عالم عطا فرمودہ کاروبار بنی آدم بایشاں تفویض نمودہ پس ایشاں بامر الٰہی قدرت خود صرف مے نمائند و ایں تصرفات گوناں گوں و تغیرات و تقلبوں در عالم کون برروئے کار مے آرند کہ ایں اعتقاد شرک محض است و کفر بحت [1]

---

[1] منصب امامت مصنفہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ صفحہ ۵۰

ترجمہ: پس انسانوں اور دنیا کے حالات میں جو تبدیلیاں اور انقلاب آتے ہیں ان (اولیاء) کی قدرت سے نہیں ہوتے نہ یہ کسی انسانی طاقت کا نتیجہ ہیں نہ ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل وعلا نے انہیں دنیا میں تصرف کرنے کی قدرت دے رکھی ہو اور لوگوں کے کاروبار ان کے سپرد کر رکھے ہوں اور وہ بامر الٰہی اپنے اختیار کو اس میں صرف کرتے ہوں اور یہ طرح طرح کی تبدیلیاں اور رنگارنگ کے انقلابات لاتے ہوں یہ شرک محض اور کفر خالص ہے۔

پھر آپ اس ظاہری تعارض کو رفع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بالجملہ نزول تقدیر الٰہی بنا بر وجاہت کسے یا دعائے کسے از مقبولین امرے دیگر و صدور تصرفات کونی ازہماں مقبول اگرچہ بامر اللہ باشد امرے دیگر کہ اول عین اسلام است وثانی محض کفر [1]

ترجمہ: پس کسی مقرب ولی کے اکرام کے طور پر یا کسی بزرگ کی دعا کی بنا پر تقدیر الٰہی کا اترنا اور بات ہے اور خود کسی بزرگ سے اس عالم کون میں تصرف ہونا گو خدا کی عطا سے ہو یہ اور بات ہے پہلی بات عین اسلام ہے اور دوسری محض کفر

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے دنیا میں اپنے ارادہ واختیار سے متصرف ماننا یہ صحیح نہیں نہ یہ وہ صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ سے کسی مقرب روح کو دنیا میں کسی کام کے لیے بھیج دیں اس صورت میں یہ ارواحِ قدسیہ خدا تعالیٰ کے دست قدرت میں بمنزلہ آلہ اور واسطہ کے ہوں گی اور تصرف غالصتہً فعل خداوندی ہوگا اور یہ ہرگز شرک نہیں مولانا شہیدؒ پہلے فرما چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان اولیاء مقربین کو عالم کون میں تصرفات کا واسطہ بناتے ہیں [2]

---

[1] منصب امامت صہ ۵۰ [2] ایضاً صہ ۴۹

ہاں جو لوگ نادانی میں انہیں پکارنا شروع کر دیں ان سے مرادیں مانگیں اور یہ عقیدہ رکھیں کہ یہ اپنے ارادہ واختیار سے ہماری مدد کرتے ہیں تو یہ بے شک ایک بھٹکی راہ ہے تاہم یہ اپنی جگہ واضح ہے کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ ان تمام روحانی کمالات اور اسرار کونیہ کے قائل تھے۔

توحید سے متعلق یہ چند امور بنیادی حیثیت رکھتے تھے اس لیے ان کی کچھ وضاحت کر دی گئی ہے جو لوگ اسلام کے عقیدۂ توحید میں ترمیم کر رہے تھے مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا بیان توحید ان پر ضرب کاری تھا، انتقامی جذبے کے ساتھ انھوں نے مولانا شہیدؒ کے خلاف کارروائی کی کہ ان کے بیان توحید کو انبیاء علیہم السلام کی شان میں تنقیص کہنا شروع کر دیا حالانکہ اللہ عزّ وجل کی توحید میں انبیاء و مرسلین کی ہرگز توہین نہ تھی۔ اسلام کے عقیدہ توحید کو انبیاء علیہم السلام کی شان سے ٹکرانے کی بدعت مولانا شہیدؒ کے نادان مخالفین کی ایجاد ہے۔

پیغمبروں کی شان کے بارے میں

اب ہم اس بات کی وضاحت کریں گے کہ انبیاء علیہم السلام کی شان کے بارے میں مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا عقیدہ کیا تھا۔ اس کے بعد ان چند الزامات کی وضاحت کی جائے گی جو توحید و رسالت کے اس فرضی تصادم میں جھوٹے الزام لگانے والوں نے تفریق اُمّت کے لیے پیدا کر رکھے ہیں۔ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے ہاں جس طرح توحید باری تعالیٰ پر اعتقاد ضروری ہے رسالت کے بارے میں بھی آپ اسی ضرورت کا احساس رکھتے ہیں۔

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا عقیدہ

توحید کے ساتھ رسالت کی ضرورت

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا دل جس طرح توحیدِ خالص سے سرشار تھا اور آپ عقیدۂ توحید میں کسی ادنیٰ آلائش شرک کو گوارا نہ کر سکتے تھے۔ شانِ رسالت کے بارے میں بھی آپ کا دل اسی عظمت و خلوص سے موجزن تھا اور انبیاء کرام کی رفعت و عصمت ان کے آستانہ عقیدت کا شرّہ تھی۔ آپ نے تقویۃ الایمان میں شرک و توحید کے فاصلے بڑی وضاحت سے بیان فرمائے تو آپ کا دل رسالت کے باب میں اسی وضاحت کا طالب ہُوا۔ اس جذبۂ عقیدت میں آپ نے شُتّح عقیدے پر استقامت کی دعا کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو رحیم و کریم کے پیارے الفاظ میں ذکر کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم پر ہزاروں درود و سلام عرض کیے۔ تقویۃ الایمان کے آخر میں آپ نے بڑی توجہ اور الحاح سے اللہ ربّ العزّت کے حضور میں دُعا کی۔

"اے مالک ہمارے! اپنے ایسے پیغمبر رحیم و کریم پر ہزاروں درود و سلام[1] بھیج اور انھوں نے ہم جیسے جاہلوں کو دین کے سکھلانے میں حد سے زیادہ کوشش کی تو تُو اس کوشش کی قدر دانی کر کہ ہم تو ایک عاجز بندے[2] ہیں محض بے مقدور۔

---

[1] جو لوگ کہتے ہیں کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ درود و سلام کے منکر تھے وہ اپنے اس بہتان سے توبہ کریں۔ [2] یعنی حضورؐ کی شان اتنی بلند ہے کہ ہم جیسے علم اور ہمت والے اس کی قدر دانی سے عاجز ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی آپ کی صحیح قدر کر سکتے ہیں۔

سو جیسا تُو نے اپنے فضل سے ہم کو شرک و توحید کے معنی خوب سمجھائے اور لا الٰہ الا اللہ کا مضمون خوب تعلیم کیا اور مشرک لوگوں میں سے نکال کر موحد پاک مسلمان بنایا اسی طرح اپنے فضل سے بدعت و سنّت کے معنی خوب سمجھا ۔ اور محمد رسول اللہ کا مضمون خوب تعلیم کر۔ اور بدعتی مذہبوں سے نکال کر سُنّی پاک متبع سنت کا کر ۱؎

اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ جس طرح توحید خالص پر اعتقاد ضروری سمجھتے تھے اسی طرح آپ رسالت کے بارے میں بھی صحیح عقائد کے مخلص طلبگار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے سُنّی عقائد پر رہنے کی دعا کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پوری طرح تابعدار بننے کی اللہ رب العزت سے استدعا کی ۔

آپ اپنے سُنّی عقائد میں اس قدر مخلص تھے کہ آپ نے تقویۃ الایمان کے توحید کے بیان میں بھی ضروری موقعوں پر ان کی نشاندہی کر دی اور رسالت کے بارے میں جو عقیدے ایک سُنّی مسلمان کے ہونے چاہئیں اُنھیں مختصر طور پر ذکر کر دیا اور تمنّا کی کہ آئندہ ان مضامین کو اور کھول کیا۔

ماہنامہ الجمعیت برنگھم کے باب الاستفسارات کے یہ چند نقوش اس سلسلہ میں بہت رہنمائی کر سکتے ہیں انھیں سوال کے ساتھ ہی ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔

بخدمت جناب علامہ صاحب ۔ بعد ما ہو المسنون

سوال: میں نے آپ کے کہنے کے مطابق مولانا اسمٰعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان منگوائی ہے اور اسے خود دیکھا ہے مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ کتاب ایمان کو خراب کرنے والی ہے۔ میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو اس میں زیادہ تر قرآن مجید کی آیات اور احادیث ملیں۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ اس میں مسئلہ توحید کو بڑا کھول کر بیان کیا ہے لیکن ——— سوال یہ ہے کہ اسلام کیا

۱؎ تقویۃ الایمان ص —— آخر کتاب

صرف توحید کا نام ہے کیا رسالت اس کا برابر کا جزو نہیں اگر دونوں باتیں ضروری ہیں تو تقویۃ الایمان میں رسالت کی شان کیوں بیان نہیں کی۔ اس میں شانِ رسالت کا کوئی تذکرہ نہیں۔ نہ کہیں روحانیت کا بیان ہے۔ اگر میں غلط سمجھا ہوں تو میری رہنمائی فرمائیں۔ والسلام

نیاز مند مجاہد

الجواب ومنہ الصدق والصواب

محترم! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپکے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ واقعی حضرت شاہ صاحبؒ کے بارے میں حقیقت حال معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے آپ توحید ورسالت کو اپنے اپنے درجے میں پیش نظر رکھیں تو انشاء اللہ العزیز بات سمجھنے میں بہت آسانی ہوگی۔

محترم! اسلام کی حقیقی منزل معرفت باری تعالیٰ ہے۔ رسالت اس کا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اسی لیے آتے رہے کہ اللہ کی راہ بتلائیں اور اپنے عمل سے اسکی کتاب سمجھائیں۔ توحید ورسالت ایک درجے میں نہیں۔ توحید منزل ہے اور رسالت اسکی معرفت۔ چونکہ معرفت کے بغیر منزل پر پہنچنا ممکن نہیں۔ اس لیے مسلمان ہونے کے لیے توحید ورسالت دونوں کا اقرار ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرے اور رسالت کو نہ مانے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ تاہم ضروری ہے کہ آپ توحید ورسالت کو اپنے اپنے درجے میں پیش نظر رکھیں اس سے تقویۃ الایمان کے مضامین خود آپکے لیے سہل ہوجاتیں گے۔

یہ صحیح نہیں کہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے تقویۃ الایمان میں صرف توحید بیان کی ہے۔ اس میں شانِ رسالت کا کہیں اقرار نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپنے کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا ورنہ آپ شاہ صاحبؒ کی یہ عبارت بھی اس میں دیکھ لیتے۔

پیغمبروں کی بڑی شان

پیغمبروں کی تو بڑی شان ہے۔ ان کی خبر دینے سے کیونکر نہ یقین آوے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل توحید کا حکم اور شرک کا منع۔ اللہ صاحب نے ہر کسی سے عالم ارواح میں کہہ دیا ہے اور سارے پیغمبر اس کی تائید کو آئے ہیں اور ساری کتابیں اسی کے بیان میں اُتریں۔ سو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کا فرمانا اور ایک سو چار کتاب آسمانی کا علم اسی ایک نکتہ میں ہے کہ توحید خوب درست کیجیے اور شرک سے بہت دُور بھاگیے [۱]

اس عبارت میں شاہ صاحبؒ نے واضح طور پر تحریر فرمایا ہے کہ پیغمبروں کی تو بڑی شان ہے اور پھر عالم ارواح کا بھی اقرار کیا ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ تقویۃ الایمان میں اعتراض ڈھونڈنے والوں کو خود توحید سے چڑ ہے اور چونکہ تقویۃ الایمان کا اہم موضوع توحید ہے اس لیے وہ اس کتاب کے نام سے چڑتے ہیں ورنہ شانِ رسالت کا اقرار اس میں اپنی جگہ نہایت واضح طور پہ موجود ہے۔ یہ بات کہ شاہ صاحبؒ حضورؐ کو درجے میں بڑا بھائی سمجھتے ہیں ایک جھوٹا الزام ہے۔ آپ تو فرماتے ہیں کہ پیغمبروں کی بڑی شان ہے پھر حضورؐ تو تمام انبیاء کے سرتاج اور سردار ہیں۔

فیضان نبوت حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ لکھتے ہیں:

خدا تعالیٰ کی رضامندی ان کی رضامندی میں داخل کی گئی ہے اور اللہ عزوجل کی فرمانبرداری ان کی فرمانبرداری پر موقوف ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے غصے نے ان کے غصے کے ساتھ اتصال پیدا کیا ہے۔ اسی عنایت اور ولایت کے نمونہ اور اسی بزرگی اور عزّت کے عکس سے ان ربانی حکیموں اور انبیاء و مرسلین کے وارثوں کو حصہ ملا کرتا ہے [۲]

---

[۱] تقویۃ الایمان صـ۱۵، صـ۱۶ [۲] صراط مستقیم صـ۴۲ ط ۶۶

جن حضرات کا نبوت و رسالت کی اس عظمت پہ ایمان ہو اور وہ انبیاء و مرسلین کے وارثوں میں بھی اس فیضان کے قائل ہوں ان کے بارے میں کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے حلقے تعظیم رسالت سے معمور نہیں ۔ لیجئے مولانا اسمٰعیل شہیدؒ ہی ایک دوسرے مقام پہ لکھتے ہیں:

تعظیم رسالت کا بیان :

نماز اور زکوٰۃ اور روزہ اور حج اور جہاد اور باقی شعائر اسلامیہ کی عظمت کا اعتقاد بھی اسی طرح کرے اور مطلقاً شرع شریف اور کعبہ اور انبیاء اور رسولوں کی تعظیم بھی اسی قسم سے ہے[1]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :

سالک کو چاہیئے کہ انبیا اور اولیاء بلکہ تمام مومنین کے حقوق اور تعظیم کے ادا کرنے میں نہایت کوشش کرے[2]

انبیاء کا غلطی سے پاک ہونا

انبیاء کرام کی زندگی اُمت کے لیے نمونہ اور حیفِ زبانی کا ہر تو ہوتی ہے ۔ اس میں غلطی آئے تو ہدایت سماوی کے آئینہ میں داغ آتا ہے ۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان حضرات قدسیہ کو غلطی سے پاک رکھا ۔ یہی عقیدہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا تھا :

انبیا اور مرسلین اور اولوالعزم کے کمالات کا ظاہر ہونا اسی تجلی میں سے ہے ۔ پس اس سیر کے تین درجے ہیں ۔ اوّل اس لحاظ سے کہ انبیاء علیہم السلام کے کمالات کا منشا ہے ۔" اسی طرح سے علوم ہدایت کا ظاہر ہونا کہ ان میں سے کسی طرح سے غلطی واقع نہ ہو سکے ۔" اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں بات ہمیشہ حتیٰ کہ خواب میں بھی موجود ہوتی ہے کیونکہ ان کا وجود باجود فیض کا

---

[1] ایضاً ص ۱۵۸ طـ ۲۰۵ [2] ایضاً ص ۱۵۹ طـ ۲۰۶

منبع ہوتا ہے [1]

کیا اب بھی کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حضرت مولینا اسمٰعیل شہیدؒ انبیاء و مرسلین کی (معاذاللہ) بے ادبی کرتے تھے۔ اب آپ ہی سوچیں کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب جو انہیں شاتم رسول اور دشنامی (خدا اور رسول کو گالی دینے والا) کہتے تھے کس قدر حق پر تھے۔ اس کی وجہ سوائے اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ مولوی احمد رضا خاں مسلمانان ہند کو جہاد سے روکتے تھے اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے جان میدان جہاد میں جان آفریں کے سپرد کی تھی اور آپ نیابت الٰہی میں غیرت الٰہی کا نشان تھے۔

نیابت عن اللہ کا مقام

یہ مقام مستقل طور پر انبیائے اولوالعزم کا مقام ہے اور ان کی فرمانبرداری سے بعض بڑے باعمل عالم اس مقام کے ظل اور اس فخر کے عکس سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں جن کو قوم کی اصطلاح میں حجج اللہ (HEAVENLY SIGNS) کہتے ہیں اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اصطلاح میں اس مقام کا نام قرب ملکوت تھا [2]

رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں

بھائی کا درجہ بڑا ہے لیکن باپ کا اس سے زیادہ ہے۔ ولی اور صحابی کا اس سے بھی زیادہ ہے اور رسالت کا مرتبہ سب سے بڑا ہے۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ انسان کے لیے رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں یہی تقویۃ الایمان میں ہے:

"بشر کے حق میں رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں اور سارے مراتب اس سے نیچے ہیں مگر آدمی رسول ہو کر بھی آدمی رہتا ہے اور بندہ ہی ہونا اس کا فخر ہے۔ کچھ اس میں خدائی کی شان نہیں آجاتی اور خدا کی ذات میں نہیں مل جاتا۔ سو یہ بات کسی

---

[1] صراط مستقیم ص ۱۴۲ ط ۱۹۱ [2] ایضاً ص ۱۴۵ ط

بندہ کے حق میں نہ کہنا چاہیے کہ نصاریٰ ایسی ہی باتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں کہہ کر کافر ہو گئے" ۱؎

شاہ صاحبؒ نے نہایت واضح طور پر سب درجات کو خواہ بھائی کا درجہ ہو یا باپ کا ولی کا ہو یا صحابی کا. رسالت کے مرتبہ سے نیچے تسلیم کیا ہے اور رسالت کو سب سے بڑا مرتبہ فرمایا ہے تو جو لوگ شاہ صاحبؒ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ حضورؐ کا درجہ بڑے بھائی کا سا سمجھتے تھے. کتنا واضح جھوٹ بولتے ہیں اور آخرت سے کس قدر بے خوف ہیں شاہ صاحبؒ کا عقیدہ اب آپ کے سامنے ہے۔

ہاں شاہ صاحبؒ یہ ضرور کہتے ہیں کہ آپ کی تعظیم خدا کی سی نہ ہونی چاہیے کیونکہ انتہائی تعظیم عبادت کہلائے گی. آپ کے آگے رکوع نہ کیا جائے نہ آپ کو سجدہ کیا جائے بلکہ آپ کی تعظیم اس انتہائی شانِ رسالت کے باوجود انسانوں کی سی ہو نہ خدا کی سی البتہ برابر کے انسانوں کی سی نہیں بڑے انسانوں اور اُونچے درجے کے انسانوں کی سی ہو کیونکہ آپ انسانی برادری میں سب سے بڑے انسان تھے اور انسان کامل تھے. سو یہ بات آدابِ تعظیم کی ہے کہ وہ انسانوں کی سی ہو خدا کی سی نہیں، درجے اور مرتبے کی نہیں کہ ان کا درجہ بڑے بھائی کا سا سمجھ لیا جائے. شاہ صاحبؒ نے بات تعظیم کی کہی تھی الزام لگانے والوں نے اسے درجے اور مرتبے کی بات بنا لیا.

انسانی برادری کے بڑے بھائی

صحابہؓ نے آپؐ سے سجدۂ تعظیمی کی اجازت چاہی تو آپؐ نے انھیں اس کی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی عزت کرو ۲؎ اس حدیث میں حضورؐ نے تواضع سے اپنے آپ کو مسلمانوں کا بھائی فرمایا اور پیغمبر تواضع میں بھی غلط بیانی نہیں کرتے اور جو کچھ ان کی زبان سے نکلتا ہے، حق ہوتا ہے اس لیے تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپؐ انسانی برادری کے بڑے بھائی تھے لیکن سب سے بڑے بھائی جن سے بڑا کوئی انسان پوری نسل آدم میں نہیں ہوا بس آپؐ کی

۱؎ تقویۃ الایمان صفحہ ۵۴ ۲؎ رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء صفحہ ۲۸۳ ۳؎ تقویۃ الایمان صفحہ ۵۲

تعظیم میں دست بستہ قیام، رکوع اور سجدے کے وہ انداز اختیار کیے جائیں جو اللہ رب العزت کے حضور میں اختیار کرنے چاہییں بلکہ آپؐ کی ظاہری تعظیم انھی حدود میں رہے جو چھوٹے درجے کے انسان بڑے درجے کے انسانوں کے بارے میں اختیار کرتے ہیں اور یہ بات بھی مولانا شہیدؒ نے از خود نہ کہی تھی بلکہ حضورؐ کی ہی ایک حدیث کی تشریح کی تھی جن لوگوں نے تعظیم کی بحث کو درجے اور مرتبے کی بحث بنا دیا ہے انھوں نے علم اور دیانت کا خون کیا ہے حضرت مولانا شہیدؒ لکھتے ہیں:

جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی تھے اور بندے عاجز اور ہمارے (انسانی) بھائی مگر اللہ نے ان کو بڑائی دی وہ (انسانی برادری کے) بڑے بھائی ہوتے۔ ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے۔ ہم اُن کے چھوٹے (اور ماتحت) ہیں سو ان کی تعظیم انسانوں کی سی کیجیے نہ خدا کی سی۔" [۱]

اس عبارت سے واضح ہے کہ آپ تعظیم کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ خدا کی سی نہ ہونی چاہیے۔ اس میں یہ بات آپ کو کہیں نہ ملے گی کہ ان کا درجہ بھی بڑے بھائی کا سا ہے۔ بات صرف یہ کہی گئی تھی کہ ان کی تعظیم بڑے انسانوں کی سی کیجیے اور اس سے بچیے کہ خدا کی سی ہو جائے کیونکہ پھر یہ تعظیم عبادت ہو جائے گی۔ شاہ صاحبؒ خود اعتراف کرتے ہیں کہ رسالت کا مرتبہ سب سے بڑا ہے۔

"بشر کے حق میں رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں اور سارے مراتب اس سے نیچے ہیں" [۲]

حضرت شاہ صاحبؒ اس سے پہلے یہ بات بھی لکھ آئے ہیں کہ انبیاء کرام سب لوگوں سے بڑے ہیں، اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ انبیاء کرام کو بڑے بھائی کے برابر سمجھنے لگیں۔ فرمایا:

"انبیاء و اولیاء کو جو اللہ نے سب لوگوں سے بڑا بنایا ہے سو اُن کی بڑائی یہی ہوتی ہے کہ اللہ کی راہ بتاتے ہیں اور بُرے بھلے کاموں سے واقف ہیں سو لوگوں کو سکھلاتے ہیں اور ان کے بتانے میں تاثیر دیتا ہے۔" [۳]

---

[۱] تقویۃ الایمان ص۵۲ [۲] تقویۃ الایمان ص۵۴ [۳] تقویۃ الایمان ص۲۱

انبیاء سب لوگوں سے بڑے ہیں

شاہ صاحبؒ جب اولیاء کرام کو بھی بڑے بھائی کے درجے میں نہیں سب لوگوں سے بڑا مانتے ہیں تو انبیاء کرام اور پھر سردار انبیاء کو بڑے بھائی کے برابر کہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ صرف اندازِ تعظیم کی بات تھی کہ انسان برادری کے بڑے انسانوں کی سی ہونی چاہیے نہ کہ خدا کی سی اور وہ بھی حضور اکرمؐ کے اپنے الفاظ کی شرح تھی جسے کتاب کا صحیح مطالعہ نہ رکھنے والے نُہلار ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ حضورؐ کا درجہ بڑے بھائی کا سا مانتے تھے (معاذ اللہ) اور ان صریح عبارات کی کچھ پرواہ نہیں کرتے جن میں شاہ صاحبؒ نے حضورؐ کو سارے جہاں کا سردار تسلیم کیا ہے۔

ہمارے پیغمبر سارے جہان کے سردار

حضرت مولانا شہیدؒ حضور اکرمؐ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ہمارے پیغمبر سارے جہاں کے سردار ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ سب سے بڑا ہے اور اللہ کے احکام پر سب سے زیادہ قائم ہیں اور لوگ اللہ کی راہ سیکھنے میں ان کے محتاج ہیں" [1]

شاہ صاحبؒ اس سے پہلے بھی حضورؐ کے بارے میں لکھ آئے ہیں:

"سب انبیاء و اولیاء کے سردار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور لوگوں نے اُن کے بڑے بڑے معجزے دیکھے انھیں سے سب اسرار کی باتیں سیکھیں۔ اور سب بزرگوں کو انھی کی پیروی سے بزرگی حاصل ہوئی" [2]

جو لوگ ان واضح اور کھلی کھلی عبارتوں کے باوجود آپ پر یہ بہتان باندھتے چلے آرہے ہیں

---

[1] تقویۃ الایمان صـ۵۵ [2] تقویۃ الایمان صـ۲۱

کہ آپ حضورؐ کا درجہ بڑے بھائی کا سا سمجھتے تھے وہ آخرت میں جواب دہی کے لیے تیار رہیں جہاں جاہل مرید اور اَن پڑھ مقتدی نعرے لگا کر ساتھ نہ دے سکیں گے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جو شخص حضورؐ کا درجہ اور مرتبہ کسی ولی یا صحابی کے برابر بھی کہے وہ حضورؐ کی شان میں بے ادبی کرتا ہے چہ جائیکہ کوئی اسے بڑے بھائی کے برابر کہے۔ ایسا کہنے والا مسلمان نہیں رہ سکتا۔ اے سمجھ والو، سمجھنے کی کوشش کرو۔

حضورؐ کا مرتبہ مراتب کی انتہاء

اللہ تعالیٰ نے اس امت کے کاملین کو بڑے بڑے درجے عطا فرمائے، چھوٹے سے چھوٹے ولی کا درجہ بھی کاملین کا ہے لیکن ان تمام روحانی مراتب کی انتہاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتی ہے۔ کوئی آپ سے آگے یا برابر نہیں۔ حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحؒ لکھتے ہیں:

> کامل لوگوں کے مرتبوں میں اس قدر تفاوت ہوتا ہے کہ ان کا شمار محال ہے ولایت کے ادنیٰ مرتبے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے تک کے تفاوت کو سمجھنا چاہیئے[1]

آپ جس طرح نبوت کا دروازہ بند کرنے والے تھے اسی طرح ولایت کا دروازہ کھولنے والے تھے آپ کی پیروی اور برکت سے یہ مقام اپنے مختلف درجات کے ساتھ اس امت کے کاملین کو بھی نصیب ہوا۔ اس سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ آپ سارے جہاں کے سردار تھے۔

> یہ مقام مستقل طور پر تو حضرۃ خاتم النبوۃ اور فاتح الولایۃ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے اور آپ کی پیروی اور برکت سے اس مقام کا نمونہ بعض بزرگوں کو بھی عطا کیا جاتا ہے[2]

حضورؐ کی محبّت سب مخلوق سے زیادہ دِل میں رکھے

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ لکھتے ہیں:

---

[1] صراط مستقیم صـ۵۲ طـ۸۰۶ ، [2] ایضاً صـ۱۰۴

جس کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ماسوی کی نسبت زیادہ تر محبوب ہوں اس نے ایمان کا مزا چکھا۔

پھر ایک دوسری جگہ پہ لکھتے ہیں :

"پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ماں باپ اور اولاد سے اور تمام مخلوقات سے زیادہ دوست جانے اور سب کی دوستی سے زیادہ ان کی محبت دل میں رکھے اور سب کی مرضی سے زیادہ ان کی مرضی کے کام کرتے[1]

اس سے پتہ چلا کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے عقیدے میں حضورؐ کی صرف اطاعت ہی مسلمانوں پر لازم نہیں. آپ کی محبت بھی ہر مسلمان پر فرض ہے اور جب تک حضورؐ کی محبت دل میں سب سے زیادہ نہ ہو اسلام کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔

حضورؐ کی محبت اور اطاعت فرض عین ہے

حضورؐ کی محبت ایسا فرض نہیں کہ چند لوگوں کے شوق و اشتیاق سے اُمّت اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جائے. حضورؐ کی محبت اور اطاعت ایک ایک مسلمان پر فرض ہے جو اطاعت محبت کی راہ سے آتی ہے اس کا نقش دیرپا ہوتا ہے اور محبت سے اطاعت کا عمل بھی آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اطاعت فرض عین ہوئی۔[2]

انبیاء اور صدیقین میں فرق

صدیقیت کا مقام انبیاء کرام کے بہت قریب ہے. انھیں سچائی کی راہ اپنے جبلی نور اور انبیاء کرام کے واسطہ سے حاصل ہوتی ہے. اس قرب تعلق سے حضرت ابوبکر صدیق نے

---

[1] تذکیر الاخوان ص ۱۱۴ [2] تذکیر الاخوان ص ۱۴۷

ایک دفعہ حضورؐ کو اپنا بھائی کہہ دیا تھا۔[۱] صحیح بخاری میں ہے:

فقال لہ ابوبکر انما انا اخوك فقال انت اخی فی دین اللہ وکتابہ۔ جلد، ص۷ مصر

حضورؐ نے اس میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

انما المؤمنون اخوۃ پ۲۶ (الحجرات) ترجمہ: مسلمان جو ہیں سو بھائی ہیں

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اپنے شیخ سے صدیقین کا یہ مقام اس طرح بیان کرتے ہیں

ان بزرگوں اور انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں فرق صرف اتنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اُمتوں کی طرف مبعوث ہوئے اور یہ بزرگ منطان حکم کو قائم کرتے ہیں اور ان کو انبیاء کے ساتھ وہی نسبت ہے جو چھوٹے بھائیوں کو بڑے بھائیوں سے یا بڑے بیٹوں کو اپنے باپ سے نسبت ہوا کرتی ہے کیونکہ ان کے درمیان بھی من وجہ بنوت کا علاقہ ہے اور من وجہ اخوت کا اور یہ لوگ اور تمام آدمیوں سے انبیاء کی خلافت کے زیادہ حق دار ہوتے ہیں۔[۲]

غور فرمائیں کہ جو شاہ صاحبؒ حضور اکرمؐ کو صدیقین کا بڑا بھائی کہنے سے بھی آگے جاتے ہیں اور حضورؐ کو ان کا بھی روحانی باپ کہتے ہیں وہ کیسے گوارا کریں گے کہ ہم جیسے عام آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بڑے بھائی کے برابر سمجھنے لگیں، اس سے زیادہ بے ادبی کیا ہوگی حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام انسانی برادری میں شامل ہونے کے باوجود پوری امت کے روحانی باپ ہیں اور آپ کی ازواج مطہرات سب امت کی روحانی مائیں ہیں۔

مقربان بارگاہِ ایزدی کی شان

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

---

[۱] یتیم کی کفالت کرنے والے کو فرمایا "کنت انا وھو فی الجنۃ اخوین"، سنن ابن ماجہ ص۲۶۲ میں اور وہ جنت میں دو بھائیوں کی طرح ہوں گے۔ [۲] صراط مستقیم ص۴۱ ط ۶۵

کمالات راہ نبوت ارباب کمال کی بصیرتوں کو کحل قدسی سے سرگین کر دیتے ہیں اور کحل قدسی کے سبب ان کی بصیرت کا نور حدت اور تیزی قبول کرتا ہے اور ان کی بصیرت قدسی آنکھ کی طرح کھل جاتی ہے تاکہ وہ جس چیز کی طرف التفات کرتے ہیں اس چیز کے حقائق اور دقائق کو اپنی استعداد کے مطابق کماحقہ دریافت کر لیتے ہیں[۳]

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :

بعض مردان حق اس کمال پر پیدا ہوتے ہیں اور ایمانی محبت اس دلکشا مقام کے چہرہ سے پوشیدگی کا پردہ دور کر کے نوروں میں سو طرح کی روشنی اور رونق کے ساتھ ظاہر کرتی ہے[۲]

پھر آگے جا کر ایک جگہ لکھتے ہیں :-

"بنی آدم میں سے نیک بندوں کے دل جو کہ غفلت اور ماسوی اللہ کی طرف توجہ کرنے کے زنگ سے صاف ہیں حظیرۃ القدس (دربار خداوندی) کی طرف نسبت کرنے سے آئینہ کا حکم رکھتے ہیں مثلاً جس چیز کا واقع ہونا حظیرۃ القدس یعنی دربار خداوندی میں مقدر ہو چکا ہو۔ اکثر نیک بخت لوگ اس کو قبل از وقوع خواب یا معاملہ میں دیکھ لیتے ہیں اور کم سے کم اس کے واقع ہو جانے کی رغبت یا اس کے اسباب کی جمع آوری کی ہمت اپنے آپ میں معلوم کرتے ہیں۔ پس جب اس صاحب کمال نے اپنے منعم کے پاس عزت حاصل کر لی ہے اور دربار الٰہی میں راستے کا قدم پکا کر لیا ہے اور رفیق اعلیٰ میں مقام صدق پا لیا ہے تو خواہ مخواہ اس کی عزت کا پرتو نیک بندوں کے دلوں میں پڑ جاتا ہے"[۱]

---

[۳] ایضاً ص ۱۹۲ [۲] ایضاً ص ۳۸ [۱] صراط مستقیم ص ۴۴ ط ۶۹

آپ غور فرمائیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ جب صدیقین کے لیے اس درجہ شان کا اقرار کرتے ہیں تو اُن کے دل میں انبیاء علیہم السلام اور پھر سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان کس درجہ میں بالا اور برتر ہوگی۔ حضرت شاہ صاحبؒ تو حضورؐ کے تعلق سے حضورؐ کے آل و اصحاب کی محبت اور تعظیم کو بھی اشد ضروری سمجھتے ہیں اور ان مقبولانِ بارگاہِ ایزدی سے بُغض و عداوت رکھنے کو خبیث لوگوں کی علامت قرار دیتے ہیں۔

حضورؐ کے آل و اصحاب کی محبّت اور تعظیم

جس کو حضورؐ سے محبت ہوگی وہ ان سب (صحابہ اور اہلِ بیت) کی بھی محبت رکھے گا پھر ان اصحاب اور اہلِ بیت کی تعظیم کرے گا۔ [1]

جو شخص حضورؐ کے اصحابوں کی خوبیاں اور نیکیاں سُن کر ناخوش ہو وہ کافر ہے۔ اللہ کی راہ سے راندا گیا، مردود ہُوا۔ [2]

پھر لکھتے ہیں:

عجیب خبیث ہے وہ فرقہ جو ان مقبول لوگوں سے ناراض اور ناخوش ہو اور بُغض و عداوت رکھے اور پھر بے حیائی سے دعوے کرے کہ قرآن پر ایمان رکھتا ہے۔ [3]

محترم! آپ سوچیں کہ جن شاہ صاحبؒ کا دل اللہ کے مقبول بندوں کی محبّت اور تعظیم سے اس قدر لبریز ہو کہ وہ ان سے بُغض و عداوت رکھنے والوں کو خبیث سمجھتے ہوں۔ بھلا ہو سکتا ہے کہ خود ان کے دل میں ان مقربانِ درگاہِ ایزدی کے خلاف کسی قسم کا بُغض یا بوجھ موجود ہو بات صرف یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ سے بُغض رکھنے والے شاہ صاحبؒ کے بیانِ توحید سے چڑتے ہیں۔ شرک اُن کے رگ و ریشہ میں سرایت کیے ہوئے ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ اسلام کا نورِ توحید کسی آلائش کے بغیر دُنیا میں جلوہ فگن ہو۔

---

[1] تذکیر الاخوان ص ۱۴۷ [2] تذکیر الاخوان ص ۱۵۲ [3] تذکیر الاخوان ص ۱۵۵

بزرگوں کی محبت ایمان کی علامت

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ لکھتے ہیں :

ایسے بزرگ لوگوں کی محبت، "پیار کرنے والے" کے ایمان اور پرہیزگاری کی علامت ہے

اور ایسے بزرگوں کا بغض "کینہ کرنے والے" کے نفاق اور بدبختی کا نشان ہے۔[1]

حضرت غوث پاکؒ کے بارے میں اعتقاد

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے بارے میں غلط پراپیگنڈہ ہے کہ آپ حضرت پیران شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو نہیں مانتے تھے۔ آپ حضرت الشیخ قدس اللہ سرہ العزیز کو اپنے دورہ کے تمام ولیوں کے پیشوا اور ولایت کبریٰ کا امام سمجھتے تھے۔ آپ ایک جگہ لکھتے ہیں

تم نے کتاب فتوح الغیب کو جو ولیوں اور صاحبان فنا و بقا کے امام، فضیلتوں اور بزرگیوں والے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، جو ساری کی ساری فنائے ارادہ کے مضمون سے جو "حب ایمانی کا خلاصہ" ہے بھری ہوئی ہے[2]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :

جو شخص کہ طریقہ قادریہ میں بیعت کا ارادہ کرتا ہے ضرور اس کو حضرت غوث الاعظم کی جناب میں ایک اعتقاد عظیم حاصل ہو جاتا ہے اور جس وقت اس کی بیعت اس خاندان عالی شان میں واقع ہو جاتی ہے تو اعتقاد وسابق کی نسبت ایک مناسبت زائیدہ اسے حاصل ہو جاتی ہے کہ اپنے آپ کو آنجناب کے گروہ سے شمار کرتا ہے[3]

دیکھیئے اس عبارت کا لفظ لفظ حضرت پیران پیرؒ کی عظمت و رفعت اور انتہائی مقام

---

[1] ایضاً ص۴۵ ط۶۹ [2] ایضاً ص۷۳ ، [3] ایضاً ص۱۷۰

ولایت کے اقرار سے معمور ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان حضرات اہلِ طریقت سے اہلِ اسلام کو بھاری منافع حاصل ہوئے ہیں۔

اصحابِ طریقت کا فیض

اصحابِ طریقت میں سے اولیاءِ کبار نے جو فن شریعت میں باطنی امامت اور دل کے سنوارنے کے قواعد میں درجہ حاصل کر چکے تھے حبِ ایمانی کو متواترات دینیہ سے جان لیا . . . . اہلِ اسلام میں سے ایک بھاری جماعت کو بہت نفع پہنچایا اور اس سبب سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انہوں نے بڑی عزت حاصل کی [1]

رحمتِ ربّانی کا اچھلتا فوارہ

اولیاءِ کرام کا وجود کیا ہے۔ رحمتِ ربّانی کا اچھلتا فوارہ ہے اس سے خلقِ خدا کی خیر خواہی کے سوتے پھوٹتے ہیں اور فیضانِ الٰہی کی بارش ہوتی ہے۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ لکھتے ہیں :۔

اس مقام میں قیام کرنے کے لوازمات میں سے یہ بات ہے کہ اس مقام کے صاحب کے دل سے فوارہ کی طرح رحمت ربّانی اور عام لوگوں کی خیر خواہی جوش زن ہوتی ہے [2]

کیا اب بھی کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کرے گا کہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ بزرگوں کی روحانیت کے قائل نہ تھے وہ تو خود ایک بڑے روحانی مقام پر فائز تھے اور قربِ ملکوت میں جگہ پا چکے تھے۔

بزرگوں کے توسّط سے درِ رحمت پر دستک

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ بزرگوں کی ارواحِ مقدسہ کو ایصالِ ثواب کی تعلیم دیتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

طالب کو چاہیئے کہ پہلے باوضو دو زانو بیٹھ کر طریقہ چشتیہ کے بزرگوں یعنی حضرت معین الدین سنجری، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ حضرات کے نام کا فاتحہ پڑھ کر بارگاہِ خداوندی میں ان بزرگوں کے توسط اور وسیلہ سے التجا کرے [3]

---

[1] صراط مستقیم ص۴۳ ط ۴۷ — [2] ایضاً ص۱۱۲ ط ۱۵۶ — [3] ایضاً ص۱۲۶ ط ۱۷۲

فنا فی اللہ اور اتصالِ علوی :- جو اولیاء کبار فنا فی اللہ کی منزل پا لیتے ہیں انہیں عالمِ علوی سے اتصال مل جاتا ہے پھر وہ ارادہ الٰہی کے لئے بمنزلہ جارحہ ہو جاتے ہیں۔ خُدا کی آنکھ سے وہ دیکھتے ہیں اور اس کے کانوں سے سُنتے ہیں۔ مدبرات فرشتوں کے ساتھ ان کے ذمے کام لگا دیے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ ان قدسیوں کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

> ان مراتب عالیہ اور مناصب رفیعہ کے صاحبان عالمِ مثال اور عالمِ شہادت میں تصرف کرنے کے مطلق ماذون و مجاز ہوتے ہیں اور ان بزرگوں کو حق پہنچتا ہے کہ تمام کلیات کو اپنی طرف نسبت کریں مثلاً ان کو جائز ہے کہ کہیں عرش سے فرش تک ہماری سلطنت ہے معنی اس کلام کا یہ ہے کہ عرش سے فرش تک ہمارے مولیٰ کی سلطنت ہے۔ [1]

ارواح قدسیہ کی مُلاقاتیں اولیاء اللہ کی رُوحوں کو وہ نورانیت نصیب ہوتی ہے کہ ذکر کے آثار ان کے گرد و پیش پھیل جاتے ہیں۔ انبیاء کرام اور اولیاء کبار کی ارواح قدسیہ سے ملاقات، ملاء اعلیٰ کی سیر اور فرشتوں تک کو دیکھنا انہیں مل جاتا ہے اور یہ سب رحمتِ خداوندی کا فیضان ہے جو انہیں یہاں تک مقبولیت بخشتا ہے۔ مولانا شہیدؒ لکھتے ہیں کہ لطائف غیبیہ کھلنے پر ہر اہل اللہ کو کشف کے یہ مراتب حاصل ہوتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :-

> منجملہ اس کے آثار کے ذاکر کی روح کی نورانیت ہے اور ارواح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور ملائکہ عظام کے ساتھ ملاقات کرنا اور جنت و دوزخ اور آسمانی مقامات کی سیر کرنا جیسے سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور وغیرہ اور لوح محفوظ کی سیر کرنا اور وہاں کے واقعات کا منکشف ہونا اور الٰہی امور کی خاطر رُوح کو آسمان پر ٹھہرانا وہاں دورہ و سیر کرانا مناسب ہے [2]

---

[1] صراط مستقیم ص۱۱۳ ط ۱۵۷ [2] ایضاً ص۱۲۰ ط ۱۶۵

ان عبارات اور عقائد کی روشنی میں آپ غور فرمائیں کہ کیا ان کا لکھنے والا کسی پہلو سے بھی بزرگوں کا گستاخ اور بے ادب ہو سکتا ہے حاشا وکلا ہرگز نہیں۔ بزرگوں سے بغض رکھنا ایک بڑی بدبختی ہے حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :۔

بنی آدم میں سے نیک بندوں کے دل جو غفلت اور ماسوی اللہ کی طرف توجہ کرنے کے زنگ سے صاف ہیں۔ حظیرۃ القدس کی طرف نسبت کرنے سے آئینہ کا حکم رکھتے ہیں مثلاً جس چیز کا واقع ہونا حظیرۃ القدس یعنی دربار خداوندی میں مقدر ہو چکا ہو۔ اکثر نیک بخت لوگ اس کو قبل از وقوع خواب یا معاملہ میں دیکھ لیتے ہیں [1]

ان تصریحات سے یہ بات یقینی درجے میں معلوم ہو گئی ہے کہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کے بارے میں وہی عقائد و نظریات رکھتے تھے جو ایک پکے سُنی عالم کے ہونے چاہیئں اور یہ آپ کی دُعا بھی تھی [2]

اولیاء کرام کی ابدی زندگی

یہ حضرات بیشک احکام دنیوی میں فوت شدہ قرار پاتے ہیں لیکن یہ بات بھی برحق ہے کہ یہ لوگ عالم برزخ میں ہمیشہ کی زندگی سے سرفراز ہوتے ہیں۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ خواص اولیاء کرام کی ابدی زندگی کے قائل تھے

اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور مقبولوں کے لیے موت ایک ایسا پُل ہے کہ ان کو اپنے دوست تک پہنچا دیتا ہے اور ان کو ایسے انعام و معارف ہوتے ہیں کہ اس جہاں میں زندوں کو بہت کم ملا کرتے ہیں۔ اس بناء پر ان کو زندہ سمجھنا چاہیئے لیکن اس جہان کے احکام کی طرف نسبت کرنے سے بیشک وہ موت پا چکے [3]

علمِ غیب سے متعلق ایک شبہے کا ازالہ

کہا جاتا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے تقویۃ الایمان میں جابجا انبیاء علیہم السلام سے علم غیب

---

[1] صراط مستقیم صـ ۴۴ طـ ۶۹ [2] تقویۃ الایمان آخر کتاب [3] ایضاً صـ ۶ طـ ۸۹

کی نفی کی ہے اور بتایا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ لوگ علمِ غیب کے معنی نہیں سمجھے ورنہ کون ہے جو اس سے انکار کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبولوں کو ہزاروں ہزاروں غیوب پر مطلع فرمایا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک علمِ غیب سے مراد علمِ ذاتی ہے جو بے عطاءِ غیر از خود قائم ہو۔ علمِ غیب کے ان معنوں کے پیشِ نظر وہ صدہا غیبی امور جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور اولیاء کو اطلاع بخشی۔ علمِ غیب نہ رہے۔ اہلِ علم حضرات ان امور کے ماننے کو اطلاع علی الغیب۔ اظہار علی الغیب۔ علمِ وحی خبر سماوی یا الہام سے تعبیر کرتے ہیں۔ علمِ غیب نہیں کہتے اور جاہل لوگ ان غیبی اطلاعات کو علمِ غیب کہنے سے نہیں رُکتے۔ علم و جہل کے اس تضاد نے علمِ غیب کے اختلاف کو یہ شکل دے رکھی ہے ورنہ قرآن کریم نے یا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس طرح غیبی امور کے جان لینے کے لیے علمِ غیب کا لفظ کبھی استعمال نہ فرمایا تھا۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب بھی ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"علم جب کہ مطلق بولا جائے۔ خصوصاً جب کہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علمِ ذاتی ہوتا ہے۔ اس کی تصریح حاشیہ کشاف پر میر سید شریفؒ نے کر دی ہے اور یہ یقیناً حق ہے۔"[1]

حضورؐ کا دلِ مُبارک اسرارِ غیب کا محرم

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے جہاں جہاں یہ لکھا ہے کہ انبیاء و اولیاء علمِ غیب نہیں رکھتے۔ اس سے ان کی یہ مُراد ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کو اسرارِ غیب پر اطلاع نہیں بخشی۔ حاشا و کلا یہ ہرگز ان کی مراد نہ تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں وہ خود مثنوی سلک نور میں لکھتے ہیں ؎

---

[1] ملفوظات مولوی احمد رضا خاں صاحب۔ حصہ سوم ص ۳۴

دِل اُن کا جو ہے محرمِ سرِّ غیب
مبرّا خطا سے ہے بے شک و رَیب

(سلیس) آپ کا دل مبارک غیب کے رازوں کا جاننے والا ہے اور اسرارِ غیب کے جاننے میں وہ دل بلاشبہ و شک ہر غلطی اور خطا سے پاک اور معصوم ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا عقیدہ یہاں پوری وضاحت سے موجود ہے۔ یہاں غیب کا لفظ علم کی طرف مضاف نہیں کیونکہ شاہ صاحبؒ کے عقیدے میں علم غیب سے مراد علمِ ذاتی ہے جو بے عطاءِ غیر از خود قائم ہو اور یہ صرف اللہ رب العزت کا علم ہے کہ بے عطاءِ غیر از خود قائم ہے شاہ صاحبؒ ان ہزاروں اسرارِ غیب اور اطلاعاتِ غیبیہ کا ہرگز انکار نہیں کرتے جن سے اللہ تعالیٰ نے بارہا اپنے مقبولین کو نوازا اور مشرف فرمایا ہے۔ شاہ صاحبؒ کا عقیدہ ہے کہ غیب کی کنجیاں صرف اللہ کے پاس ہیں۔ اس نے یہ کسی مخلوق کے ہاتھ میں نہیں دیں کہ وہ جب چاہے اور جو چاہے چابی لگا کر غیبی امور کو از خود معلوم کر لیا کرے، نہیں ہرگز نہیں لیکن اس سے مراد بھی ہرگز نہیں کہ اللہ رب العزت خود بھی غیب کا قفل کسی کے لیے نہیں کھولتا۔

اللہ والوں کے لیے خزانہ غیب کے قفل کھلنا

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ لکھتے ہیں:

"یقین یوں رکھنا چاہیے کہ غیب کے خزانے کی کنجی اللہ ہی کے پاس ہے، اس نے کسی کے ہاتھ میں نہیں دی اور کوئی اس کا خزانچی نہیں مگر اپنے ہی ہاتھ سے قفل کھول کر اس میں سے جتنا جس کو چاہے، بخش دے۔ اس کا ہاتھ کوئی نہیں پکڑ سکتا" [1]

---

[1] تقویۃ الایمان ص۲۸

مقامِ غور :

غور کیجیے حضرت شاہ صاحبؒ کس صراحت سے اس عبارت میں غیبی خبروں کے ملنے اور غیب کے قفل کھلنے کا اقرار فرمایا ہے یہی وہ اطلاعاتِ غیبی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے مقربین اور مقبولین کو نوازتے ہیں لیکن چابی چونکہ صرف اسی کے ہاتھ میں ہے اس لیے جتنے غیب پر اللہ تعالیٰ اطلاع بخشیں، اس سے زیادہ معلوم کر لینا یہ کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔

اللہ نے جتنا دیا اس سے زیادہ معلوم کر لینا

حضرت شاہ صاحبؒ کی نفی علمِ غیب سے یہ مُراد بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو جن اسرارِ غیب سے نوازتے ہیں ان سے بڑھ کر کسی بات کا معلوم کر لینا یا کسی مجمل بات کی تفصیل از خود معلوم کر لینی یہ ان کے اختیار میں نہیں ہوتی۔ اس کے لیے بھی وہ اللہ تعالیٰ کی ہی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وہ چاہے تو بتلا دے نہ چاہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ اطلاع نہ دے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت کنویں میں پڑے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں :

" اگر کچھ بات اللہ نے کسی اپنے مقبول بندے کو وحی یا الہام سے بتائی کہ فلاں کام کا انجام بخیر ہے یا بُرا۔ سو وہ مجمل بات ہے اور اس سے زیادہ معلوم کر لینا اور اس کی تفصیل دریافت کرنی (پا لینی) ان کے اختیار سے باہر ہے " [۱]

اس عبارت سے پتہ چلا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے پیشِ نظر نفی علمِ غیب سے غیبی امور کے بارے میں وحی و الہام کا انکار ہرگز نہیں اور شاہ صاحبؒ ان غیبی خبروں کو تسلیم فرماتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے انبیاء و اولیاء کو وحی یا الہام سے اطلاع بخشی ہو اور اس اطلاع کی نرالی شان ہوتی ہے۔

---

[۱] تقویۃ الایمان صہ ۲۳

وحی کی نرالی شان

اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو جن غیبی اطلاعات یا احکام سے سرفراز فرماتے ہیں وہ ایسے قطعی اور یقینی ہوتے ہیں کہ ان میں کسی دخلِ شیطانی، اضافے یا کمی یا کسی بھول چوک کا امکان ہرگز نہیں۔ الٰہی ضمانت ان کے شاملِ حال اور خدائی حفاظت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ اولیاء اللہ کو بھی اللہ تعالیٰ کئی امورِ غیبی سے نوازتے ہیں مگر ان کے ساتھ وہ وعدہ نہیں جو پیغمبروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو وحی اور الہام دونوں سے مشرف کیا جاتا ہے اور ان میں شیطان کا دخل کسی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ مولانا شہیدؒ لکھتے ہیں :

"بڑے لوگ جو بات عقل اور قرینہ سے کہتے ہیں سو اس میں کبھی درست ہو جاتی ہے اور کبھی چوک مگر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی یا الہام ہو، سو اس کی بات نرالی ہے"[1]

الہام کا لفظ اولیاء اللہ کی اطلاعات غیبی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور کبھی یہ لفظ انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی آجاتا ہے۔ الٰہی الہام خواہ انبیاء کو ہو یا اولیاء کو وہ اپنی جگہ نرالی شان رکھتا ہے لیکن جو الہام انبیاء کو ہو اس میں دخلِ شیطانی سے پوری حفاظت ہوتی ہے۔ یہ الہام بھی وحی کی طرح ہے اور وحی میں غلطی کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ لکھتے ہیں :

"پیغمبروں کی وحی میں کبھی غلطی نہیں پڑتی"[2]

وحی نبوت کی طرح الہام نبوت بھی غلطی سے پاک ہوتا ہے خدائی حفاظت ہر وقت ان کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کا خواب بھی دخلِ شیطانی سے محفوظ ہوتا ہے حضرت ابراہیمؑ ایک خواب دیکھ کر حضرت اسمٰعیل کو قربان کرنے لگے تھے۔

دین کے بارے میں کُلی علم

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا عقیدہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دین کے بارے میں کُل علم رکھتے ہیں اور دینی ہدایت کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کا کلی علم آپ کو عطا نہ کیا گیا ہو، مولانا لکھتے ہیں :

---

[1] تقویۃ الایمان صفحہ ۲۲ [2] تقویۃ الایمان صفحہ ۱۰۱

"دین کی سب باتیں اللہ نے اپنے رسول کو بتلا دیں اور سب بندوں کو اپنے رسول کی تابعداری کا حکم دیا"۔ [1]

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو آفاقی سمجھتے تھے، لکھتے ہیں

"پیغمبرِ خدا کے علم کو ایک شخص کے علم میں منحصر نہ جاننا چاہیے بلکہ آپ کا علم تمام جہانوں میں پھیلا ہوا ہے"۔ [2]

وہ علم جو دین سے تعلق نہیں رکھتے یا جو پیغمبرؐ کی شان کے لائق نہیں ان کی پیغمبر سے نفی کرنا پیغمبرؐ کی ہرگز بے ادبی نہیں بلکہ ان کی عظمت کا اقرار ہے قرآن کریم میں ہے: وما علمناه الشعر وما ینبغی له [3] (ترجمہ) اور ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھایا اور نہ یہ آپ کی شان کے لائق تھا ــــ یہ حضرت مولانا شہیدؒ کے عقائد کا ایک اجمالی نقشہ ہے جو ہدیہ قارئین کیا گیا ہے، یہ چند جزئیات ان مغالطوں کے ازالہ کے لیے کافی ہیں جو ان ابواب میں مخالف یا کم فہم لوگوں کی طرف سے حضرت مولانا شہیدؒ کے خلاف عام طور پر پھیلائے جاتے ہیں ان حقائق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض لوگوں نے حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے خلاف بہت غلط تصورات قائم کر لیے اور جب حقیقت کھلی تو برملا اس حقیقت کا اعتراف کر لیا۔ حضرت مولانا سید بغدادی بھی ان بزرگوں میں سے تھے جنھوں نے نہایت صراحت سے حقیقتِ واقعہ کا اقرار کیا۔ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ جب کانپور میں تھے تو آپ نے جناب ملا بغدادی صاحب کو اپنے عقائد و نظریات کے بارے میں خط لکھا تھا ۱۲۴۰ء میں بغدادی صاحب نے حضرت شہیدؒ کو بذریعہ خط اطلاع دی:

"میں نے جو کچھ آپ کی نسبت کہا وہ بالکل محض اس وجہ سے تھا کہ میں آپ کا کلام سمجھ نہ سکا کیونکہ رسالہ اُردو میں تھا اور میں عرب کا رہنے والا ہوں"۔ [4]

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے عقائد پر آپ مطلع ہو چکے اب حضرت کے فقہی موقف پر بھی نظر ڈالیں:۔

---

[1] تقویۃ الایمان ص۱۹ [2] صراط مستقیم ص۷ [3] پ۲۳ یٰسین [4] منقول از تذکیر الاخوان ص۲۹

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا موقف فقہ

شاہ صاحبؒ کا خاندانی مسلک

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اس خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو باپ دادا سے حنفی مسلک پر کاربند چلا آتا تھا۔ شاہ صاحبؒ خود بھی اسی مسلک کے پابند تھے۔ ہاں مولانا اس بات کے شدید مخالف تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کو کوئی مسلمان بے ادبی یا نفرت کی نظر سے دیکھے۔ ائمہ مجتہدین کے ہاں راجح اور مرجوح کا اختلاف کسی مقلد کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ جو سنن دوسرے ائمہ کے نزدیک راجح ہوں وہ انھیں تمسخر کا موضوع بنائے یا حق و باطل کا معیار ٹھہرائے۔ آپ نے رفع الیدین کے مسئلہ پر تنویر العینین اسی جذبہ کے تحت لکھی تھی ۔۔۔ شکر اللہ سعیہٗ۔ لیکن جہاں تک آپ کے اپنے عمل کا تعلق ہے آپ حنفی مسلک پر کاربند تھے۔ آپ اور آپ کے رفقاء جہاد کے بارے میں بعض لوگوں نے افترا باندھا۔

این جماعت مسافرین ہیچ مذہب ندارند و ہیچ مسلک مقید نیستند

(ترجمہ) یہ مسافر کوئی فقہی مسلک نہیں رکھتے اور کسی طریق کے پابند نہیں۔

جواباً مولانا اسمٰعیلؒ کے شیخ حضرت سید احمدؒ نے اپنی شہادت سے ایک سال پہلے ۱۲۴۵ھ میں ایک خط علماء پشاور کے نام لکھا۔ آپ کی یہ تصریح تمام زمرہ مجاہدین کو بھی شامل ہے کیونکہ اعتراض سب کے بارے میں تھا اس سے حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے مسلک کی پوری وضاحت ہوتی ہے:

این فقیر و خاندان این فقیر در بلاد ہندوستان گمنام نیست الوف الوف انام از خواص و عوام این فقیر و اسلاف این فقیر را مے دانند کہ مذہب این فقیر ابًا عن جدٍ حنفی است و بالفعل ہم جمیع اقوال و افعال این ضعیف بر قوانین اصول حنفیہ و آئین ایشان منطبق است[1]

---

[1] مکاتیب سید احمد شہیدؒ ص ۱۱۶ ا

(ترجمہ) یہ فقیر اور اس کا خاندان ہندوستان میں غیر معروف نہیں۔ عام وخواص لاکھوں آدمی مجھے اور میرے اسلاف کو جانتے ہیں کہ اس فقیر کا مسلک باپ دادا سے حنفی چلا آرہا ہے اور عملاً بھی اس عاجز کے تمام اقوال و افعال حنفی قوانین اور ان کے طریقے کے مطابق ہیں۔

مولانا عبدالحی صاحب دہلویؒ کا بیان

حضرت مولانا عبدالحیؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ سے ۱۲۴۰ھ میں بوسہ قبر کے اختلاف کے موقع پر مختلف سوال کیے گئے تھے۔ حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اپنی اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی طرف سے جو جوابات لکھے ان میں مرقوم ہے:

"قیاس را معتقدم و در قیاسات و اجتہادات مقلد مذہب حنفی ام" [1]

(ترجمہ) "میں قیاسات کے مسائل میں قیاس کا قائل ہوں اور اجتہادی امور میں حنفی مذہب کا مقلد ہوں۔"

پھر ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"من بر مذہب حنفی مثل طحاوی و کرخی ام باسناد صحیح کاربندے شوم نہ مثل حاطب اللیل پابندم" [2]

(ترجمہ) "میں امام طحاوی اور کرخی کی طرح صحیح طریق پر حنفی مذہب کا پابند ہوں نہ جاہل لوگوں کی طرح"

اعمال میں چار مذہبوں کی متابعت

جس طرح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حق کو ان چار مذاہب میں منحصر بتلایا تھا اور ان سے نکلنے کو سوادِ اعظم سے نکلنا قرار دیا تھا [3] اسی طرح ان کا پورا خاندان اس اصول پر کاربند اور مذاہب اربعہ کی متابعت کا داعی رہا۔ صراطِ مستقیم جس کی جمع و ترتیب میں مولانا عبدالحیؒ

---

[1] الصواعق الالٰہیہ ص۲۶ طبع ۱۲۸۷ھ مطبع احمدی [2] دیکھیے رسالہ اشاعت السنۃ النبویہ مولانا محمد حسین بٹالوی جلد ۷ شمارہ ۱۳ ۱۸۸۴ء [3] عقد الجید مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ دونوں شامل ہیں۔ اس میں ہے :

"اعمال میں ان چار مذہبوں کی متابعت جو اہلِ اسلام میں رائج ہیں بہت عمدہ ہے لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو ایک شخص کے علم میں منحصر نہ جاننا چاہیئے بلکہ آپ کا علم تمام جہان میں پھیلا ہوا ہے" ۱؎

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :

"جو مسئلہ کہ صحابہ کرامؓ کے اجماع سے ثابت نہ ہو یعنی صحابہؓ کے وقت میں ایسا واقع نہ ہوا جو اس پر حکم ٹھہرا کر وہ اجماع کرتے تو ایسی بات پر مجتہدوں کے قیاس صحیح کے موافق عمل کرے پھر وہ مجتہد بھی ایسا ہو کہ جس کا اجتہاد اُمت کے اکثر عالموں نے قبول کیا ہو جیسے امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ اور قیاس بھی فاسد نہ ہو" ۲؎

مجتہدین کی کوششوں کے ثمرات

مجتہدین کرام کی کوششوں سے شریعت محمدیہؐ کا دائرہ اتنا وسیع ہوا کہ ہر زمانے کا ہر مسئلہ اپنے اصولوں کی طرف لوٹا اور اہل اسلام یہ کہنے کے حقدار ہوئے کہ شریعت محمدیہؐ وہ کامل نظام حیات ہے جس میں زندگی کے ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ یہ اصول کتاب و سنت کی وہ باریک راہیں تھیں جو مجتہدین پر کھلیں اور صحیح یہ ہے کہ ان باریک راہوں میں ہر کوئی نہیں چل سکتا۔ مجتہدین اپنی کوششوں سے یہ درجہ پا گئے کہ انبیاء کرامؑ کی متابعت میں امت ان کی بھی اقتدا کرنے لگی۔ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ لکھتے ہیں :

فنون عربیہ کے استادوں اور اجتہاد کے اماموں اور علم کلام کے داناؤں اور تہذیب اخلاق اور حکمت ایمانیہ والوں کی کوششوں سے باریک علم ظاہر ہوئے اور بزرگوں کو اسی کوشش کی وجہ سے علما امتی کانبیاء بنی اسرائیل

۱؎ صراط مستقیم ص ۹۷ ۲؎ تذکیر الاخوان ص ۱۸۴

کے زمرے میں جگہ ملی ہے[1]

دورہ فقہاء ایک الٰہی ہدایت

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے عقیدہ میں فقہاء کا دور اس امت کے لیے پہلی الٰہی ہدایت تھی جس کے تحت اسلام ایک کامل دین کی صورت میں جلوہ گر ہوا، کتاب وسنت کی باریک راہیں روشن ہوئیں اور فقہ نے ترتیب پائی۔ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ لکھتے ہیں:

> نوع انسانی کے امر معاد کی تربیت میں بھی زمانے اور طریق بدلا کرتے ہیں جس دورہ میں جو اہل کمال اپنے کمال کو پہنچتے ہیں وہ علم کہ ان کے دورہ کے مناسب ہیں انکے دلوں میں ڈال دیئے جاتے ہیں اور ان کو انہی علموں کی تکمیل میں خادم بنایا جاتا ہے، پھر جب وہ تربیت اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے تو ایک تربیت کی بنیاد رکھ دی جاتی ہے اور ایک نئی ہدایت کی بنیاد کو مضبوط کیا جاتا ہے، مثلاً اس امت کے دوروں میں کا پہلا دورہ فقہاء کا تھا پھر متکلمین کا دورہ ظاہر ہوا اور اس کے بعد صوفیا کرام کا دورہ آیا۔ یہ تمثیل کے طور پر ذکر کیا گیا ہے ورنہ ادوار انہی میں منحصر نہیں[2]

صحابہ کے زمانے میں مسائل اتنے پھیلے ہوئے نہ تھے جتنے اگلے دور میں پھیلے۔ جوں جوں ضرورتیں بڑھتی گئیں نئے نئے مسائل سامنے آتے گئے اور ان موضوعات میں شریعت کی راہیں روشن ہوتی گئیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کرام میں کوئی کمی تھی مقصود کلام یہ ہے کہ ضرورت کے وقت خدا تعالیٰ کی غیرت جن اہل کمال پر اتری وہ فقہاء تھے اور یہی مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا مسلک تھا:

> مجتہدین کے اجتہاد کا امر تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں اس قدر جلوہ گر

---

[1] صراط مستقیم صہ۵۰ ط ۷۶ [2] ایضاً صہ۴۶ ط ۷۲

ہوا کہ اس کا عشر عشیر بھی صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں واقع نہیں ہوا تھا اور اس کمال والے خدا تعالیٰ کی غیرت اس مقام کے لوازمات میں سے ہے[۱]

کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ ان لوگوں میں سے تھے جو کہتے تھے فقہ کی ضرورت نہیں۔ حق یہ ہے کہ غیر منصوص مسائل میں ہر عامی کو تقلید مجتہد کی ضرورت پڑتی ہے۔ گمان ہوتا ہے کہ وہ وہی بات بتائے گا جو اس کے ہاں دلیل سے ثابت ہے گویہ شخص اس سے دلیل لینے یا اسے پرکھنے کی استعداد نہ رکھتا ہو۔

غیر منصوص مسائل میں تقلید مجتہد

حنفیہ کرام کے ہاں تقلید امام قرآن وحدیث کے مقابلہ میں نہیں۔ غیر منصوص مسائل میں ہے

یہی بات مولانا اسمٰعیل شہیدؒ لکھتے ہیں:

"جب تک مسئلہ قرآن وحدیث سے ثابت نہ ہو تب تک مجتہد کی پیروی اور تقلید کرے" [۲]

حضرت سید احمد شہید اپنی پوری جماعت کے ساتھ آخر دم تک تقلید پر قائم رہے۔ آپ نے فرمایا:

"یہ وقت ترک تقلید کا نہیں ہے، ہم کو اس وقت کفار سے جہاد کرنا ہے۔ تقلید کا جھگڑا اٹھا کر اپنے اندر تفرقہ ڈالنا بہتر نہیں" [۳]

مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی کی شہادت

مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی صاحب نے حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا زمانہ پایا ہے اور ان سے ملاقات بھی کی ہے۔ قاری صاحب لکھتے ہیں:

مولوی اسمٰعیل صاحبؒ کو ہم نے دیکھا۔ اہل سنت والجماعت حنفی ومحدث ومفسر تھے[۴]

---

[۱] ایضاً ص ۴۲ ط ۶۸ [۲] ایضاً ص ۱۸۵ [۳] سوانح احمدی ص ۱۹۴ از تھانیسری مطبوعہ ۱۳۰۹ھ
[۴] ص ۲۳ ماخوذ از خیر التنقید

اس سے پتہ چلا کہ آپ گو مسلکاً حنفی تھے مگر محدث اور مفسر بھی تھے اس میں اشارہ ہے کہ اگر آپ کسی مسئلہ میں فقہ حنفی کی کسی جزئی سے اختلاف کریں تو آپ اس علمی مقام پر ہیں کہ آپ کو اس کا حق پہنچتا ہے۔

نواب صدیق حسن صاحب کی شہادت

نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم ان محدثین کرام کے پورے گھرانے کے متعلق لکھتے ہیں :

بل هم بيت علم الحنفية [۱]

(ترجمہ) یہ حضرات دہلویہ حنفی مذہب کے علم کا گھر ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم آپ کے عقائد کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

عقیدہ او ہمہ موافق اہل سنت وجماعۃ است. ہر چہ بہ نسبت اومے گویند مختلق وموضوع است ووے بداں راضی نیست وایں افترار وکذب ہم در حیات وے بروے کردند ووے ازیں تبرا کرد وبراں انکار کرد۔[۲]

ترجمہ۔ آپ کے عقائد سب اہل السنۃ والجماعۃ کے تھے۔ لوگ آپ کے ذمہ جو عقائد لگاتے ہیں یہ سب من گھڑت اور موضوع باتیں ہیں۔ آپ ان سے ہرگز راضی نہ تھے لوگوں نے یہ کذب وافترار خود ان کی زندگی میں ان پر باندھا آپ نے اس سے پوری طرح اظہار بیزاری کیا اور ان غلط عقائد کا انکار کیا۔

فقہ میں آپ کی عظیم مہارت کا ذکر آپ ان الفاظ میں کرتے ہیں :۔

اصول فقہ بر نوک زبان داشت وعلم حساب در انگشتان قرآن وحدیث خود محفوظ سینہ او بود وفقہ ومنقول مشق دیرینہ او۔[۳]

اس بات کے ثبوت میں کہ آپ حنفی المذہب تھے نواب صاحب لکھتے ہیں کہ ترک

۱۔ الحطہ فی ذکر الصحاح الستۃ ص۷۱ ۲۔ اتحاف النبلاء المتقین ص۴۱۶

۳۔ ایضاً ص۴۱۷

حنفیت آپ پر ایک تہمت تھی یعنی حقیقت میں آپ حنفی ہی تھے اور لوگ آپ پر خواہ مخواہ وہابیت کا الزام لگاتے تھے ——— نواب صاحب لکھتے ہیں :-

گاہے تہمت ترکِ حنفیت نمودند و گاہے رمی بر ہابیت کردند[1]

ترجمہ۔ لوگ آپ پر کبھی ترکِ حنفیت کا الزام لگاتے تھے اور کبھی آپ کو وہابی ہونے کا الزام دیتے تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے آباء واجداد اور اساتذہ و مشائخ سب حنفی المذہب تھے۔ ورنہ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کا اپنا مسلک زیرِ بحث آتا۔ ان پر ترکِ حنفیت کا الزام نہ لگتا۔ یہ اس صورت میں درست بیٹھتا ہے کہ آپ کے خاندان کے لوگ سابقاً سب حنفی ہوں اور آپ بھی بطور حنفی معروف ہوں ——— نواب صاحب نے آپ کے بارے میں ترکِ حنفیت کو محض ایک تہمت کہا ہے۔

الیانع الجنی من اسانید الشیخ عبد الغنی میں بھی اس پورے خاندان کا حنفی ہونا مذکور ہے

ختم اور ایصالِ ثواب

ختم سے مراد اگر ایصالِ ثواب ہے تو حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اس کے قائل تھے آپ نے اگر کہیں اس کی مخالفت کی تو ان پابندیوں کی وجہ سے کی جو جاہلوں نے خلافِ شرع اس میں شامل کر رکھی ہیں آپ لکھتے ہیں :

زندوں کی عبادت کا ثواب بیشک دو طرح سے مردوں کو پہنچتا ہے۔ پہلی سبیل جو کہ عمدہ اور بہتر ہے، یہ ہے کہ مردے اور زندے کے درمیان ایسا علاقہ ہو کہ اس علاقے کی وجہ سے زندے کی عبادت میں میت کا دخل ثابت ہو، مثلاً باپ بیٹا ہونے کا علاقہ خواہ یہ ابوت اور بنوت ولادت کی وجہ سے ہو یا تعلیم اور ارشاد کی وجہ سے[2]

"دوسری سبیل یہ ہے کہ زندہ ایسا کام کرے کہ مردے کو نفع پہنچانا اس سے مقصود ہو ،،

"جو عبادت کہ مسلمانوں سے ادا ہو اس کا ثواب کسی فوت شدہ کی روح کو پہنچائے

---

[1] ایضاً صـ۱۴

[2] صراطِ مستقیم صـ۶۲ ط ۹۲

اور جناب الٰہی سے دعا کرنا اس کے پہنچانے کا طریق ہے اور یہ بہت بہتر اور مستحسن طریقہ ہے[1]

پھر ایک مقام لکھتے ہیں :

جو چیز کہ اس وقت فقیروں اور محتاجوں کے حق میں زیادہ مفید ہو خالص نیّت کے ساتھ خرچ کرے اور اگر دعا بھی کرے تو بہتر ہے[2]

فاتحہ کے لیے پُر تکلف کھانوں کی تعین اور پھر یہاں تک تعین کہ گوشت بکری کا ہو گائے کا نہ ہو یا دال ہو مگر اس میں ادرک ضرور ہو، یہ وہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے آج نیا طبقہ ختم اور ایصالِ ثواب کی ان اداؤں پہ ہنستا ہے۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی وصیت ہی دیکھ لیجئے آپ نے اپنی وفات سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے کھانوں کی کیسی عجیب فہرست تیار فرمائی :

> فاتحہ ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں (۱) دودھ کا برف خانہ ساز اگر بھینس کا دودھ ہو۔ (۲) مرغ کی بریانی (۳) مرغ پلاؤ خواہ بکری کا ہو (۴) شامی کباب (۵) پراٹھے (۶) بالائی (۷) فیرنی (۸) ارد کی پھریری دال مع ادرک ولوازم (۹) گوشت بھری کچوریاں (۱۰) سیب کا پانی، انار کا پانی (۱۱) سوڈے کی بوتل[3]

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ ایصال ثواب کے لیے کھانا کھلانے یا فاتحہ خوانی کے خلاف نہ تھے۔ آپ صرف رسموں کی پابندیوں کے خلاف تھے اور طرح طرح کے کھانوں اور ان کی اقسام کی پابندی کو بُرا سمجھتے تھے جو پابندی شریعت نے نہیں لگائی اسے اپنی طرف سے لگا لینا اگر شریعت میں دخل دینا نہیں تو اور کیا ہے۔ التزام مالا یلزم اضافی بدعت ہے۔

---

[1] ایضاً صـ۶۳ ط ۹۴ [2] ایضاً صـ۶۶ ط ۹۷

[3] وصایا شریف صـ۸ مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور۔

فوت شدگان کو طعام سے فائدہ پہنچانا

حضرت مولانا اسمٰعیل شہید لکھتے ہیں:۔ یہ بھی گمان نہ کیا جائے کہ فوت شدگان کو طعام سے فائدہ پہنچانا اور ان کی فاتحہ خوانی ٹھیک نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ کام تو بہت بہتر اور افضل ہے۔ ہماری غرض صرف یہ ہے کہ رسم کا پابند نہ ہونا چاہیئے تاریخ اور دن اور طعام کی جنس اور قسم کی تعیین کے بغیر جس وقت اور جس قدر کہ موجب ثواب ہو بجالائے اور جب میّت کو نفع پہنچانا منظور ہو تو اسے کھانے کھلانے پر ہی موقوف نہ سمجھنا چاہیئے اگر ہو سکے تو بہتر ہے ورنہ صرف سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص کا ثواب بہت بہتر ہے[۱]

چند الزامات کی وضاحت (باب الاستفسارات کا ایک ورق)

سوال : الجمعیت کے باب الاستفسارات کے ذریعہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے متعلق بہت سی باتیں کھلی ہیں اور بہت سے شکوک و شبہات جو پہلے ذہن میں گھوم رہے تھے یا لوگوں نے مشہور کر رکھے تھے مجھ پر واضح ہو گئے ہیں، مَیں محسوس کرتا ہوں کہ ہم نے مولانا مرحوم کی پوری طرح سمجھنے کی پہلے کوشش ہی نہ کی تھی۔ میرا خیال ہے کہ شاہ صاحبؒ کی مراد کلام کو سمجھنے میں اگر تھوڑی سی بھی توجہ اور محنت کی جائے تو کوئی الجھن باقی نہیں رہتی۔

اس سلسلہ میں براہِ کرم دو اور باتوں کی بھی وضاحت فرماویں۔ اس تفصیل سے اور بہت سے لوگوں کے شبہات بھی دُور ہو سکیں گے اور غلط الزام لگانے والے علماء سُو کا جھوٹ بھی کھل جائیگا۔

مولانا اسمٰعیل دہلوی لکھتے ہیں :

"ہر مخلوق چھوٹا ہو یا بڑا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے"۔ (تقویۃ الایمان)

اس عبارت کے متعلق پانچ باتیں تفصیل طلب ہیں، ان کی وضاحت ہو جائے تو میرے

---

[۱] صراط مستقیم صہ۷ ط ۱۰۷

خیال میں بات صاف ہوجائے گی۔

۱۔ ہر مخلوق کے لفظ میں انبیاء علیہم السلام بھی آجاتے ہیں یا نہ؟ کیا مولانا اسمٰعیل دہلویؒ نے صراحت سے اس میں حضور پاکؐ کو داخل کیا ہے؟ اگر نہیں تو سب سے پہلے اس بحث میں حضورؐ کا نام لانے کی جسارت اس انداز سے کس نے کی ہے؟

۲۔ چمار کو حقارت سے دیکھنا کیسا ہے جو مسلمان چمار کا کام کرتا ہو وہ مسلمانوں کی دینی برادری میں برابر کا شریک ہے یا نہ؟

۳۔ مذکورہ عبارت میں ذلیل کے معنی حقیر کے ہیں یا عاجز کے۔ کیا یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے مقربین کے لیے استعمال ہوسکتا ہے؟

۴۔ چمار اور دوسرے کسی اچھے پیشے والے شخص میں جو فرق ہے کیا وہ کسی وقت ختم ہوسکتا ہے؟ اور اللہ اور بندے میں جو فرق ہے کیا وہ بھی کسی وقت ختم ہوجاتا ہے؟

۵۔ ایک چمار بادشاہ کے سامنے جتنا کمزور اور عاجز ہے، بادشاہ خدا کے آگے اس سے زیادہ کمزور اور عاجز ہے یا اس سے کم عاجز اور محتاج ہے جتنا چمار اس کے آگے کمزور تھا؟

فقط والسلام مجاہد

الجواب ومنہ الصدق والصواب

۱۔ ہر مخلوق کا لفظ اپنے عموم میں انبیاء علیہم السلام کو بھی شامل ہے لیکن اس قسم کے عام حکم میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو صراحت سے داخل کرنا بے ادبی ہے۔

۲۔ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے اس بحث میں صراحۃً حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور پیغمبر کا نام نہیں لیا نہ ان کی یہ مراد تھی وہ ایک حکم عام سے اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کر رہے ہیں۔ انبیاء کرام کے بارے میں اس طرح بات کہنے کی بے ادبی انھوں نے نہیں کی۔ نہ ان کے عقیدے کا کوئی شخص اس قسم کی بات کرسکتا ہے۔

۴۔ ہر مخلوق کے لفظ پھیلا کر اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیر بحث لے آنے کی بے ادبی سب سے پہلے مولوی احمد رضا خاں نے کی تھی اور اب ان کے پیرو اس بات کو کھینچ کھینچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر لاتے رہتے ہیں، ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ پر حضورؐ کی بے ادبی کا الزام قائم کیا جاسکے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ مولانا مرحوم کی مخالفت میں وہ حضورؐ کی بے ادبی کے مرتکب ہو رہے ہیں کیونکہ مولانا شہید کی اس عبارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی ہرگز تصریح نہیں۔ نہ کوئی مسلمان اس قسم کی جسارت کر سکتا تھا۔ عمومی انداز میں اس طرح کی عبارات پہلے بزرگوں کے کلام میں بھی بہت ملتی ہیں اور آج تک کسی شخص نے ان کے عموم کو پھیلا کر اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو داخل نہیں کیا نہ اس عموم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بحث کرنے کی کہیں جسارت کی ہے۔

سیدنا حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ) نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا:

"الخلق عند اہل المعرفۃ کالذباب والزنابیر کدود القز" [۱]

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (۶۳۲ھ) لکھتے ہیں:

"لا یکمل ایمان امرء حتی یکون الناس عندہ کالاباعر ثم یرجع الی نفسہ فیراھا اصغر صاغر" [۲]

(ترجمہ) کسی شخص کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس کے ہاں لوگ اونٹ کی مینگنوں کی طرح نہ ہو جائیں پھر وہ اپنے نفس پر غور کرے اور اسے سب سے چھوٹا پائے۔

اب تک کسی شخص کو جرأت نہیں ہوئی تھی کہ اس حکم عام کو پھیلا کر اس میں انبیاء و اولیاء کو بھی لے آئے ضد اور مخالفت میں یہ کہاں درست ہے کہ انسان ان عبارات میں انبیاء

---

[۱] الفتح الربانی صفحہ ۱۲۲ [۲] عوارف المعارف بحاشیہ احیاء العلوم جلد ۴ صفحہ ۱۸۹

پر بحث کرنے لگے۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے بھی ایک عام بات کہی تھی مگر افسوس کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اس عموم کی وسعت میں حضورؐ پر بحث چھیڑ دی اور مولانا شہیدؒ پر الزام قائم کرنے کے لیے حضور اقدسؐ کی ذاتِ گرامی کا بھی احترام نہ کیا۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ (۷۲۵ھ) کے ملفوظات میں ہے:

"ایماں کسے تمام شود تا ہمہ خلق نزد او ہمچناں نمایند کہ پشکلے شتر"

(ترجمہ) ایمان اسی وقت مکمل ہوتا ہے کہ ساری مخلوق اس کے ہاں اونٹ کی مینگنوں کی طرح ہو جائے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"مردم پسران آدم اند و آدم از خاک و خاک خوار و پست است تعزز و ترفع او را نبودہ" [1]

(ترجمہ) سب انسان اولادِ آدم ہیں اور آدم مٹی سے تھے۔ مٹی خوار اور پست ہے۔ عزت اور بلندی اس کی فطرت نہیں۔

اس مقام پر کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے معاذ اللہ انبیاء اور اولیاء کو خوار اور پست بتلایا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کوئی مسلمان اس قسم کی گستاخی نہیں کر سکتا۔ بات سمجھنے کا سلیقہ چاہیے۔ اہل اللہ سے بدگمان ہونے اور لوگوں کو ان سے بدگمان کرنے کی تحریک بہت بری حرکت ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"تا ہمہ دُنیا و بزرگی ہائے آں در نظر او خاک بود و اہل آں در دل او سنگے نمایند" [2]

(ترجمہ) جب تک سب دُنیا اور اس کی بڑائیاں اس کی نظر میں خاک اور اس کے رہنے والے اس کے دل میں مٹی کے روڑوں کی طرح نہ ہو جائیں ...

---

[1] اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۹۴ [2] اخبار الاخیار صفحہ ۶۵

کوئی شخص اس قسم کی عبارتوں سے ان کے عموم کے سہارے اہل اللہ پر اس قسم کے الزامات قائم کرے تو اس کی نیت اور آخرت کہاں تک درست ہو سکتی ہے اس پر آپ غور فرمائیں۔

۲. چمار یا کسی اور ادنیٰ پیشے کے کارکن کو حقارت کی نظر سے دیکھنا جائز نہیں۔ کوئی شخص محض اپنے پیشے کی وجہ سے حقیر نہیں ہو جاتا۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب خود بھی لکھتے ہیں:

"اگر کوئی چمار مسلمان ہو تو مسلمان کے دین میں اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھنا حرام اور سخت حرام ہے۔ وہ ہمارا دینی بھائی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

انما المومنون اخوة "(بیشک سب مسلمان بھائی بھائی ہیں) [۱]

کاش کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب اس لفظ کی تحقیر سے ناجائز فائدہ اٹھا کر تقویۃ الایمان کی محولہ بالا عبارت کو کھینچ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تک نہ لے جاتے۔ اس کا تصور بھی بڑی گستاخی اور بے ادبی ہے۔

۳. اس عبارت میں ذلیل کا لفظ کمزور کے معنی میں ہے، حقیر کے معنی میں نہیں۔ قرآن کریم میں یہ لفظ صحابہ کرامؓ کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور کسی نے اس سے حقیر کے معنی مراد نہیں لیے۔ صحابہ کرامؓ بدر کے دن کمزور تو تھے لیکن حقیر وہ کبھی نہ تھے۔ پس قرآن کریم میں صحابہ کے لیے ذلیل کا لفظ کمزور کے معنی میں ہے، حقیر کے معنی میں نہیں۔

ولقد نصركم الله ببدر وانتم اذلة (پ۴ آل عمران ع ۱۳)

(ترجمہ) اور بیشک اللہ نے تمہاری بدر کی لڑائی میں مدد کی تھی اور تم ذلیل (کمزور) تھے۔

اَذِلّة ذلیل کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہم سب عاجز اور کمزور ہیں۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اندازِ عبادت یہ تعلیم فرمایا ہے:

اذا قمت بين يدي فقم قيام العبد الذليل وناجني

---

[۱] فتاوی رضویہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۰ سنی پریس بریلی

بقلب وجل ولسان صادق [1]

(ترجمہ) جب تو میرے حضور میں نماز کے لیے کھڑا ہو تو ایسے کھڑا ہو جیسے ذلیل (عاجز) غلام کھڑے ہوتے ہیں۔ ڈرتے ہوئے دل سے اور سچی زبان سے میری مناجات کر۔

۴۔ چمار اور کسی بڑے آدمی کے مابین جو فاصلہ ہے وہ کتنا ہی کیوں نہ ہو۔ دو انسانوں کے مختلف مراتب کا فاصلہ ہے۔ یہ فاصلہ حالات پیدا ہونے پر چند لمحوں میں ختم ہو جاتا ہے۔ کافر اور مومن کا فاصلہ بھی کافر کے ایمان لانے پر فوراً ختم ہو جاتا ہے۔ چمار ایک دن میں پیشہ بدل کر اس فاصلے کو مٹا سکتا ہے۔

۲۔ بندے اور خدا کے درمیان جو فاصلہ ہے اور خالق اور مخلوق میں جو فرق ہے وہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ خدا کے مقبول بندے قرب خداوندی میں کتنے ہی کیوں نہ بڑھ جائیں۔ بندہ کبھی خدا نہیں ہو سکتا نہ کبھی اس میں خدائی صفات آجاتی ہیں۔ بندہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرے وہ بندہ ہی رہتا ہے اور خدا تعالیٰ اپنے کرم و فضل سے بندہ کے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو جائے وہ خدا ہی رہتا ہے۔ خدا بندہ نہیں ہو سکتا اور بندہ خدا نہیں ہو سکتا۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

قوله قدس سره (هل الفناء البقاء موجب اتصاف السالك بالصفات الوجوبية) أقول الوجدان الصريح يحكم بأن العبد عبد وإن ترقى، والرب رب وإن تنزل، وإن العبد قط لا يتصف بالوجوب أو بالصفات اللازمة للوجوب ولا يعلم الغيب إلا أن ينطبع شيئ في لوح صدره وليس ذلك علما بالغيب إنما ذلك الذي يكون من ذاته وإلا فالأنبياء والأولياء يعلمون لا محالة بعض ما يغيب عن العامة [2]

۵۔ ایک چمار بادشاہ کے سامنے اتنا عاجز اور کمزور نہیں جتنا بادشاہ خدا کے آگے عاجز اور کمزور ہے کیونکہ چمار اور بادشاہ اس فرق مراتب کے باوجود انسان ہی ہیں اور ایک انسان دوسرے

---

[1] کبیری شرح منیۃ المصلی ص ۴۲۱ [2] تفہیمات الٰہیہ ص ۲۴۵ جلد اول

انسان کے سامنے جتنا عاجز اور کمزور ہو سکتا ہے اس سے زیادہ ہر انسان اللہ رب العزت کے حضور میں کمزور اور اس کا محتاج ہے وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے مستغنی اور بے پرواہ نہیں رہ سکتا۔ انسان ہر وقت خدا کا محتاج اور اس کی رحمت کا طلبگار ہے۔ ایک چھوٹا انسان کسی بڑے انسان سے کئی گھنٹوں اور دنوں تک بے پرواہ رہ سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہم ایک لمحہ کے لیے بھی باہر نہیں آسکتے۔

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ یہی کہہ رہے ہیں کہ ہر فقیر و بادشاہ اللہ جل شانہٗ کے آگے اس سے کہیں زیادہ عاجز اور کمزور ہے جتنا کوئی چھوٹے سے چھوٹا آدمی بڑے سے بڑے آدمی کے سامنے عاجز اور کمزور ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ خالق و مخلوق کے فاصلے کسی صورت میں عبور نہیں ہوتے۔ مولانا شہیدؒ کی عبارت میں لفظ ذلیل سے حقیر مراد نہیں۔ یہ لفظ یہاں کمزور کے معنی میں ہے اور عربی میں یہ لفظ زیادہ تر کمزور کے معنی میں ہی آتا ہے۔

ایک اور شبہے کا اظہار

مولانا اسمٰعیل دہلوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں تو کب سجدے کے لائق ہوں۔ سجدہ تو اسی پاک ذات کو ہے کہ نہ مرے کبھی"۔ (تقویۃ الایمان ص)

اس سے گمان ہوتا ہے کہ مولانا اسمٰعیل حضورؐ کے حیات النبی ہونے کے قائل نہ تھے حالانکہ سب مسلمان اس پر متفق ہیں کہ پیغمبروں کے اجساد ان کی قبور میں محفوظ رہتے ہیں، مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہو جاتے ______ آپ سے گزارش ہے کہ مذکورہ بالا عبارت کی وضاحت کرتے ہوئے ان چار باتوں پر خاص طور سے روشنی ڈالیں :

۱۔ کیا موت یا مرنے کا لفظ حضور پاکؐ کے لیے استعمال ہو سکتا ہے ؟

۲۔ کیا مٹی کا لفظ حضور پاکؐ کے نام مبارک کے ساتھ بولا جا سکتا ہے ؟

۳۔ مٹی میں ملنے کا کیا معنی ہے ؟ مٹی ہو جانا یا مٹی کے ساتھ پیوستگی اور ملنا ؟

۴۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے معتقدین حضورؐ کے قبر مبارک میں جانے سے کیا معنی مراد لیتے ہیں ؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

مذکورہ بالا عبارت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنی طرف سے نہیں لکھی بلکہ آپ نے حضور اکرمؐ کی حدیث[1] بیان کی ہے۔ صیغۂ متکلم (میں کا لفظ) بتا رہا ہے کہ یہ مضمون خود حضورؐ کی طرف سے بیان ہو رہا ہے اور یہ ساری بات حضورؐ کی حدیث کا خلاصہ ہے۔ حدیث کے مضمون کو مولانا شہیدؒ کی بات ٹھہرانا علم و دیانت کے خلاف ہے۔

جو لوگ حضور پاکؐ کو سجدہ کرنا چاہتے تھے۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا تھا کہ کیا تم میری قبر کو بھی سجدہ کرو گے ؟ اُنھوں نے کہا "نہیں"۔ اس سے حضورؐ نے استدلال کیا کہ سجدہ اسی ذات کے لائق ہے جس پر کبھی موت وارد نہ ہو۔ جس نے بھی موت کا ذائقہ چکھنا ہے وہ ہرگز سجدے کے لائق نہیں۔ یہ حضورؐ کے ارشاد کا خلاصہ ہے۔

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے ہی نہیں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے :

> "چوں من ازیں عالم بروم و زیر پردہ شوم سجدہ نکنید پس سجدہ برائے زندہ باید کرد کہ ہرگز نمیرد" ٢

(ترجمہ) جب میں اس جہان سے رخصت ہو جاؤں اور پردے میں چلا جاؤں تم سجدہ نہ کرو گے پس سجدہ اس زندہ کو کرنا چاہیے کہ کبھی نہ مرے۔

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے عقیدے میں بھی مٹی میں ملنے سے مراد زیر پردہ چلا جانا ہی ہے

---

١ یہ حدیث سنن ابی داؤد باب فی حق الزوج علی المرأۃ مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء میں موجود ہے۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی اسے الزبدۃ الزکیۃ صفحہ ۱۹ پر نقل کیا ہے ٢ اشعۃ اللمعات جلد ۳ صفحہ ۱۴۵

مولانا شہیدؒ لکھتے ہیں :

ان آنکھوں سے ہر چند وہ جسمِ پاک — بظاہر ہوا مختفی زیرِ خاک

ملے نور ان کا ہے قائم مقام — کہ ہر پاک دل میں ہے اُن کا مقام [۱]

۱۔ موت یا مرنے کا لفظ قرآن پاک نے بھی آپ کے لیے استعمال کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

انك ميّت وانهم ميّتون — بیشک آپ مرنے والے ہیں اور بیشک وہ بھی مرنے والے ہیں۔[۲]

افأن مات او قتل انقلبتم — اگر وہ مر جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم

على اعقابكم — اپنی ایڑیوں پر اُلٹے پھر جاؤ گے۔[۳]

حضور اکرمؐ کی وفات شریفہ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا :

من كان منكم يعبد محمدًا فان محمدًا قدمات ومن كان منكم يعبد الله فان الله حيّ لا يموت [۴]

ترجمہ : تم میں سے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا پس بیشک آپ فوت ہو گئے اور جو کوئی تم میں سے خدا کی عبادت کرتا تھا پس بیشک اللہ تعالیٰ زندہ ہے جو کبھی نہ مرے گا۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب بھی ایک مقام پر فرماتے ہیں :

" موت ایسی چیز ہے کہ سوا ذاتِ باری عزّ جلالہ کے کوئی اس سے نہ بچے گا " [۵]

پس آپ کی ذاتِ گرامی کے لیے موت کا لفظ استعمال کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے حدیثِ مذکورہ کی تشریح کرنے میں کوئی جرم نہیں کیا۔

۲۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے مٹی کا لفظ صریح طور پر استعمال فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا : " میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ ایک مٹی سے بنے اور اسی میں دفن ہوں گے " [۶]

---

[۱] مثنوی سلک لؤلؤ [۲] پ ۲۳ الزمر ع ۳ [۳] پ ۴ آل عمران ع ۶ [۴] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۴۰ مصر
[۵] ملفوظات حصہ ۴ ص ۱ [۶] فتاویٰ افریقہ ص ۸۵

ایک اور حدیث کا ترجمہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے یوں لکھا ہے :

" چوں دفن کنید مرا پس بنرمی و سہولت بیفند ازید بر من خاک را" ؎۱

ترجمہ : جب تم مجھے دفن کرو تو مجھ پر مٹی نرمی اور آرام سے ڈالنا۔

اس میں حضورؐ کا اپنا بیان ہے کہ مجھے بھی ایک دن قبر میں جانا ہے۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب بھی لکھتے ہیں :

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا ارشاد صحیح مسلم سے ابھی گزرا کہ :

" جب مجھے دفن کر چکو تو مجھ پر مٹی تھم تھم کر ڈالنا " ؎۲

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مٹی میں مدفون ہونا اسی صراحت سے بیان کیا ہے جس صراحت سے مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے آپ کے لیے مٹی میں ملنے کا لفظ استعمال کیا تھا۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں :

اے مدعیو خاک کو تم خاک نہ سمجھے　　اس خاک میں مدفون شہ بطحا ہے ہمارا

ہے خاک سے تعمیر مزار شہ کونین　　معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا ؎۳

ہم سمجھتے ہیں کہ اس تعبیر میں جس طرح مولوی احمد رضا خاں صاحب نے کوئی غلطی نہیں کی اس طرح مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے بھی حضورؐ کے لیے یہ لفظ استعمال کرنے میں کوئی جرم نہیں کیا۔ پس آپؐ کی ذات گرامی کے لیے مٹی کا لفظ استعمال کرنے میں بے ادبی کا کوئی پہلو نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں :

" مردم پسران آدم اند و آدم از خاک و خاک خوار و پست است تعزز و ترفع او را نبودہ " ؎۴

؎۱ اشعۃ اللمعات جلد۱ ص۶۱۷　؎۲　؎۳ حدائق حصہ اول ص۱۱　؎۴ اشعۃ اللمعات ص۹۴ ج۴

ترجمہ: سب لوگ آدمؑ کے بیٹے ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے اور مٹی عاجز اور پست ہے۔ عزت اور بلندی اس کے مناسب نہیں

۳۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا عقیدہ مثنوی مسلک نور کے حوالے سے پیش کیا جاچکا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ مٹی میں ملنے کا معنی زیر پردہ چلے جانے کے لیتے ہیں۔ مٹی میں مٹی ہو جانا نہ یہ آپ کا عقیدہ ہے نہ آپ نے تقویۃ الایمان میں یہ بات لکھی ہے۔ مٹی میں ملنے سے یہاں مراد مٹی سے الحاق اور پیوستگی ہے۔

۴۔ انبیاء کرام کے اجساد مٹی میں مٹی نہیں ہوتے۔ یہ اجساد سطح مٹی کے لیے بھی نہایت لائق احترام ہیں وہ ان کا استقبال کرتی ہے انھیں ریزہ ریزہ نہیں کرتی۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے آب حیات اور راقم الحروف نے مقام حیات میں اس کی پوری تفصیل کی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا یہ عقیدہ ہرگز نہ تھا کہ انبیاء کرام کے اجساد وفات کے بعد مٹی ہو جاتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے بدنوں کو مٹی بنائے یہی عقیدہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ہے جیسا کہ اس عبارت سے واضح ہے

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں :

جواب : مٹی میں ملنے کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ مٹی ہو کر مٹی زمین کے ساتھ خلط ہو جاوے جیسا سب اشیاء زمین میں پڑ کر خاک ہو کر زمین ہی بن جاتی ہیں دوسرے مٹی سے ملاقی و متصل ہو جانا یعنی مٹی سے مل جانا تو یہاں مراد دوسرے معنی ہیں اور جسد انبیاء علیہم السلام کا خاک نہ ہونے کے مولانا مرحوم بھی قائل ہیں چونکہ مردہ کو چاروں طرف سے مٹی احاطہ کر لیتی ہے اور نیچے مردہ کی مٹی سے جسد مع کفن ملاحق (ملاقی؟) ہوتا ہے یہ مٹی میں ملنا اور مٹی سے ملنا کہلاتا ہے کچھ اعتراض نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم[1]

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ صـ ۸۳

مولانا شہیدؒ اور مسئلہ امکانِ نظیر

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اور مولانا فضل حق خیر آبادی میں مسئلہ امکان نظیر میں بحث چلی اس وقت اس کی تفصیل بیان کرنی پیشِ نظر نہیں صرف اس کا مفہوم تبلانا ہے اختلاف کے باوجود ان دونوں بزرگوں نے نہ ایک دوسرے کی تفسیق کی نہ تکفیر مسئلہ علمی تھا، علمی حدود میں محدود رہا ایسے اختلافات میں علماء میں بہت وسعت ہوتی ہے۔

مولانا اسمٰعیل شہید کے ہاں امکانِ نظیر کا یہ مفہوم نہ تھا کہ ممکن ہے حضور صلی علیہ وسلم کے مرتبے کا کوئی اور انسان پیدا ہو جائے۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ نصوص میں آچکا ہے کہ آپ سیدِ اولادِ آدم اور خاتم النبیین ہیں اور جمیع کمالات علمیہ وعملیہ آپؐ پر ختم ہیں اب شرعاً ممکن نہیں کہ آپؐ کے مرتبے کا کوئی انسان پیدا ہو۔

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی مراد امکان نظیر سے صرف یہ تھی کہ وجود مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تحت قدرت الٰہیہ ہے گو تحت تکوین نہیں کہ ایسا کبھی نہ ہوگا۔ ہاں اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ آپؐ کا مثل پیدا کر سکے لیکن یہ اس کے اپنے فیصلے کے مطابق تکوین میں نہیں سو ایسا کبھی نہ ہوگا۔

بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کی عدم تکوین کی شریعت نے خبر دی ہے شرعاً ان کا وقوع محال اور ممتنع ہے مگر وہ ہیں تحت قدرت الٰہیہ اور خدا تعالیٰ انہیں وجود میں لانے پر قادر ہے۔ مثلاً حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر عذابِ عامہ کبھی نہ آئے گا۔ اس امتناع کے باوجود قرآن کریم میں ہے

قل ھو القادر علیٰ ان یبعث علیکم عذاباً من فوقکم او من

تحت أرجلكم أو يلبسكم شيعاً (پ الانعام ۶)

ترجمہ: آپ کہیں کہ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے نیچے سے یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قدرت الٰہیہ معدومات کو بھی شامل ہے اور ہر ممتنع بالغیر تحت قدرت الٰہیہ ہے وجود مثل پیغمبرؐ دلائل شرعیہ سے ممتنع بالغیر ہے پس یہ بھی تحت قدرت الٰہیہ ہے سو یہ ممکن بالذات ہوگا۔ گو ایسا کبھی نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کیخلاف خبر دے چکے ہیں۔

ہر ممتنع بالغیر ممکن بالذات ہے اور ہر ممکن بالذات تحت قدرت الٰہیہ ہے۔ مسئلہ اِمکان نظیر سے مولانا کی مُراد صرف یہ ہے کہ وجود مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تحت قدرت الٰہیہ ہے گو تحت تکوین نہیں۔

حنفیہ کرام کے ہاں تکوین اور صفت ہے اور قدرت اور — تکوین کے بغیر وقوع لازم نہیں آتا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۵ھ) اپنے رسالہ مبدء و معاد میں لکھتے ہیں:

اما حق آنست کہ تکوین صفت حقیقیہ علیحدہ است ماورائے قدرت و ارادہ۔ بیانش آنکہ قدرت بمعنی صحت فعل و ترک است و ارادہ تخصیص یکے ازیں دو طرف قدرت است کہ فعل و ترک باشد پس رتبہ قدرت مقدم شد بر رتبہ ارادہ و تکوین کہ ماورا از صفات حقیقیہ ے دائیم رتبہ او بعد از رتبہ قدرت و ارادت است کار آں صفت ایجاد آں طرف مخصص است پس قدرت مصحح فعل است ارادہ مخصص آں و تکوین موجد آں پس از تکوین چارہ نبود [1]

ترجمہ: حق یہ ہے کہ تکوین قدرت اور ارادہ سے علیحدہ ایک اور صفت ہے اسے یوں سمجھئے کہ قدرت کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے کی

---

[1] مبدء و معاد ص۱۴ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ

صفت کا نام ہے ارادہ ان دو طرفوں میں سے ایک کی تخصیص کرتا ہے پس رتبہ قدرت ارادہ و تکوین ہر دو پر مقدم ہے تکوین کی باری قدرت اور ارادہ کے بعد ہے تکوین کا کام اس طرف مخصص کو جو ارادہ نے کی تھی وجود میں لانا ہے۔
حاصل یہ کہ قدرت فعل کے ہو سکنے کا نام ہے ارادہ (ہونے اور نہ ہونے میں سے ایک کی) تخصیص کرتا ہے اور تکوین اسے وجود میں لاتی ہے پس تکوین کے بغیر چارہ نہیں۔

مسئلہ اِمکانِ نظیر سے حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی مُراد یہ تھی کہ وجود مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تحت قدرت الٰہیہ ہے گو تحت تکوین نہیں۔ اور ایسا کبھی نہ ہو گا۔

ایک وسوسہ اور اُس کا ازالہ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وجود مثل آنحضرتؐ کو ممکن بالذات ماننا گو اصولاً درست ہے لیکن اس میں حضورؐ کی شان میں بے ادبی ہونے کا احتمال ہے اَدب کا تقاضا ہے کہ یہ بات بھی نہ کہی جائے۔ جواباً گذارش ہے کہ جس طرح اولیاء کرام سے لوازم نبوت (جیسے نزول وحی ماموریت اور معصوم ہونا) کی نفی ان کی تنقیص اور بے ادبی نہیں اسی طرح لوازم الوہیت (جیسے واجب الوجود ہونا، علم کا محیط ہونا، ہر چیز پر قادر ہونا، لاشریک ہونا) کی انبیاء کرام سے نفی بھی ان کی تنقیص اور بے ادبی نہیں۔ وجود مثل آنحضرتؐ کو ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ماننے سے حضورؐ کی بے ادبی کا اتنا احتمال نہیں جتنا معدومات پر قدرت الٰہیہ کے شامل نہ ہونے میں ذات حق جل و علا کی بے ادبی ہے اور گستاخی کا احتمال ہے۔ جہلا اپنے واعظوں میں یہ کہتے سُنے گئے ہیں کہ اَب خدا میں بھی قدرت نہیں کہ آنحضرتؐ جیسا اور کسی کو پیدا کر سکے (معاذ اللہ) اللہ کی شان میں اس کھلی بے ادبی سے بچنے کے لیے اِمکان نظیر کو ممکن بالذات ممتنع بالغیر مان لیا جائے تو اس میں عموم قدرت باری تعالیٰ اور ختم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں اسلامی عقیدے اپنی جگہ پورے محفوظ رہ جاتے ہیں۔

اس علمی مسئلہ میں آپ اختلاف کر سکتے ہیں لیکن اس اختلاف کی وجہ سے دوسرے فریق کی تغلیط یا اسے گمراہ قرار دینا کسی طرح درست نہیں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب ایک مقام پر فرماتے ہیں :۔

"مسئلہ امتناع نظیر میں اس مقام پر امکان یا امتناع نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنا مقصود ہے نہ تصویب و تغلیط کسی کی فریقین اعنی اسمٰعیلیہ خیرآبادیہ میں سے شکر اللہ تعالیٰ سعیہم۔ راقم سطور دونوں کو ماجور و مثاب جانتا ہے فانما الاعمال بالنیات و لکل امرء مانوی [1]

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے مخالفین کی اصولی غلطیاں

جو لوگ مولانا شہیدؒ کی عبارتوں میں مختلف قسم کے شبہات پیش کرتے ہیں ان کی اصولی غلطی یہ ہے کہ وہ مولانا کی عبارتوں میں اپنے معنی داخل کرتے ہیں علم کا اصولی ضابطہ یہ ہے کہ مصنف کی مراد اس کی اپنی دوسری تصریحات کی روشنی میں ہی طے کی جائے یکطرفہ کاروائی کرنے سے علم کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔

ان حضرات کی دوسری اصولی غلطی یہ ہے کہ وہ شرک و بدعت کے اس ماحول کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ہندوانہ عقائد کے زیر اثر ان دنوں قائم تھا۔ انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کرتے ہی ہندوؤں کی دبی تہذیب کو ابھارنا شروع کر دیا تھا۔ یہ تہذیبی اثرات مسلم معاشرے پر بُری طرح اثر انداز ہو رہے تھے، مولانا شہیدؒ کی دینی محنت مسلمانوں کو ہندوانہ عقائد اور ہندو تہذیب سے بچانے کے لیے تھی۔

ان حضرات کی تیسری اصولی غلطی یہ ہے کہ وہ ان عبارات کو مولانا اسمٰعیلؒ کی طرف سے سمجھتے ہیں۔ حالانکہ بیشتر عبارتیں قرآن و حدیث کے ترجمے ہیں یا ان کی تشریحات و مرادات۔ یہ حضرات اگر ان آیات و احادیث کو سمجھنے

---

[1] دیکھئے فتاوے مہریہ صفحہ ۱۵ وبحوالہ بر دو رسالہ طبع دوم صفحہ

کی کوشش کرتے تو یہ نزلہ عتاب مولاناؒ پر نہ گرتا۔

ان حضرات کی چوتھی اصولی غلطی یہ ہے کہ وہ یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتے کہ اس قسم کی عبارات کیا پہلے بزرگوں سے بھی تو منقول نہیں۔ اگر یہ لوگ متعلقہ آیات اور احادیث کے تحت سلف صالحین کی تفاسیر قرآن اور شروح احادیث کی طرف رجوع کرتے تو معاملہ یہاں تک طول نہ پکڑتا انھیں پتہ چل جاتا کہ پہلے بزرگ بھی وہ باتیں کہہ چکے ہیں جو انھیں سخت نظر آرہی ہیں۔

ان حضرات کی پانچویں اصولی غلطی یہ ہے کہ وہ عبارات زیر بحث میں جن عقائد کو مجروح سمجھتے ہیں ان موضوعات میں وہ حضرت شہیدؒ اور ان کے ہم مسلک علماء کی دوسری صریح عبارات کو دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ کوئی پیش کردے تو ان کا اعتبار نہیں کرتے۔ علم کا تقاضا تھا کہ پیچیدہ عبارت کو صریح عبارت کے تابع کرکے مصنف کے عقیدے کا تعین کیا جاتا اور کوشش کی جاتی کہ متشابہات محکمات کے تابع رہیں اور یہی سلامتی کی راہ ہے۔ الیس منکم رجل رشید

ایک اہم گزارش

اس مختصر تحریر میں حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی زندگی قربانی اور اخلاص وعقائد کے بہت سے پہلو آپ کے سامنے آچکے ہیں اور یہ بھی آپ حضرات جانتے ہیں کہ بریلویوں کے عام حلقوں میں حضرت مولانا شہیدؒ کے بارے میں دن رات کیا زبان استعمال ہوتی ہے اور کون سا کفریہ عقیدہ نہیں جو حضرت شہیدؒ کی طرف منسوب نہ کیا جاتا ہو۔

بریلوی لوگ اس سلسلہ میں جو عبارات پیش کرتے ہیں اگر حضرت شہیدؒ نے ان میں وہ کفری معنی مراد نہ لیے ہوں جو یہ بریلوی حضرات ان کی طرف نسبت کرتے ہیں تو ان کفری معنوں کا بار بار تکرار اور حضرت شہید کی طرف ان کا انتساب کیا یہ کہیں خود تو گستاخی رسول نہیں؟ ذرا اس پر بھی کسی فرصت میں غور کیجیے اور تو اور مولانا احمد رضا خاں بھی تسلیم کرتے ہیں:

"فقہاء کرام نے یہ فرمایا ہے کہ جس مسلمان سے کوئی لفظ ایسا صادر ہو جس میں ستر پہلو نکل سکیں ان میں ننانوے پہلو کفر کی طرف جاتے ہوں اور ایک اسلام کی طرف تو جب تک ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے خاص کفر کا پہلو مراد رکھا ہے ہم اسے کافر نہ کہیں گے کہ آخر ایک پہلو اسلام کا بھی تو ہے کیا معلوم شاید اس نے یہی پہلو مراد رکھا ہو۔" [1]

پھر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :

"کتب فتاویٰ میں جتنے الفاظ پر حکم کفر کا جزم کیا ہے، ان سے مراد وہ صورت ہے کہ قائل نے ان سے پہلوئے کفر مراد لیا ہو ورنہ ہرگز کفر نہیں۔" [2]

آپ غور کریں کہ مولانا شہیدؒ کی عبارتوں میں کفری پہلو مراد ہونا کیا واقعی قطعی اور صریح ہے مولانا احمد رضا خاں نے اس کے متعلق جو فیصلہ کیا ہے وہ بتا رہا ہے کہ ان عبارات میں کفری معنی ہرگز صریح اور یقینی مراد نہ تھے۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں :

"علمائے محتاطین انھیں کافر نہ کہیں یہی ثواب ہے۔ وھو الجواب وبہ یفتیٰ وعلیہ الفتوٰی وھو المذھب وعلیہ الاعتماد وفیہ السلامۃ والسداد" [3]

حضرت شاہ اسماعیلؒ پہلے بزرگ نہیں جن پر دنیا پرست علماء نے انبیاء و اولیاء کی گستاخی کی تہمت لگائی ہو، آپ سے پہلے آپ کے نقشبندی سلسلہ کے بزرگ حضرت مجدد الف ثانیؒ پر بھی اس قسم کی تہمتیں لگ چکی ہیں۔

شاہجہان اور اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کے ایک عالم عبداللہ خویشگی قصوری تھے۔ ۱۰۶۷ھ میں آپ جنوبی ہند چلے گئے اور زیادہ عرصہ اورنگ آباد میں رہے۔ وہیں آپ نے ۱۰۷۷ھ میں اخبار الاولیاء اور ۱۰۹۴ھ میں معارج الولایت لکھیں اور ۱۱۰۰ھ میں واپس قصور آئے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جس علو ہمتی سے شرک و بدعت کی مذمت کی تھی اس کا تقاضا

---

[1] تمہید ایمان ص۳۳ مطبوعہ بریلی [2] تمہید ایمان ص۳۷ [3] ایضاً ص۴۲

تھا کہ علماء بدعت ان کے خلاف لاوا اُگلیں۔ عبداللہ خویشگی المعروف عبدی اس میں آگے بڑھے اور علماء بدعت کے ساتھ مل کر حضرت مجدد الف ثانی پر کفر کا فتوے لگایا۔

عبدی پر اپنے استاد شیخ نعمت اللہ لاہوری کے بھی اثرات تھے جو حضرت مجدد کے خلاف تھے۔ عبدی غالی صوفی شیخ برہان الدین برہانپوری شطاری اور اس کے پیر شیخ عیسیٰ سندھی سے بھی بہت متاثر تھے۔ شیخ عبداللطیف برہانپوری گو شیخ برہان الدین کو بدعتی کہتے تھے۔ مگر حضرت مجدد الف ثانی کے وہ بھی خلاف تھے۔ جناب اقبال مجددی لکھتے ہیں :۔

لیکن افسوس ہے کہ اس راسخ العقیدگی کے باوجود شیخ عبداللطیف برہانپوری حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اور شیخ آدم بنوری سے نسبت رکھنے والے کو ملحد اور زندیق کہتے تھے اور ان کی اقتدا میں نماز ناجائز قرار دیتے تھے[1]۔

عبداللہ خویشگی اپنی کتاب معارج الولایت میں امام ربانی کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

چوں علماء عرب وعجم در ردِ او چہار استفتار نوشتہ اند و ایراد ہر چہار بسط کلام مے کشید و بطول عبارت می انجامید برابر او یکے ازاں اختصار می رود[2]

کیا یہ وہی آواز نہیں جو آج کل علماء بدعت سے علماء دیوبند کے خلاف سُنی جا رہی ہے کہ علماء عرب وعجم نے حسام الحرمین میں ان کی تکفیر کی ہے؟ کیا حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف یہی شوشہ نہیں چھوڑا گیا؟

حضرت مجدد الف ثانی ؒ نے اپنے رسالہ مبدأ و معاد میں ایک بات کہی۔ اس پر علماء بدعت بگڑے۔ میر محمد نعمان بدخشی نے آپ سے اس کی وضاحت بھی کرائی۔ مگر افسوس کہ ایک شخص عبدالوہاب نامی جو اپنے آپ کو مرید شاہ جیلان کہتا تھا۔ گستاخانہ عبارتوں کا الزام دے کر ایک گمراہ کن استفتار مرتب کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس فتوے کا حاصل یہ تھا کہ نبی کی توہین کرنے والا کافر و زندیق اور واجب القتل ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا کہیں حضرت مجدد الف ثانی ؒ نے کسی نبی کی توہین کی ہے؟ جو شخص بھی تحقیق سے کام لے گا اسے اس کا جواب نفی میں ملے گا۔

---

[1] احوال و آثار عبداللہ خویشگی ص۱۵۱ [2] معارج الولایت ورق ۹۹۵ ب، احوال و آثار عبدی ص۱۸۵

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ پر جب اس قسم کی تہمتیں لگی ہوں گی تو وہ بھی کہتے ہوں گے۔

نہ من تنہا دریں مے خانہ مستم　　　جنید و شبلی و عطار ہم مست

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ تو پھر بھی اچھے رہے کہ ان کے سب سے بڑے مخالف مولانا احمد رضا خاں کو بالآخر یہی کہنا پڑا کہ علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں، اسی میں سلامتی ہے۔

بریلوی حضرات سے گزارش ہے کہ وہ خواہ مخواہ ان عبارات میں حضرت مولانا شہیدؒ کی طرف کفری معنوں کی نسبت نہ کریں۔ اس جرأت میں لعنت کی تفریق بھی ہے انبیاء و اولیاء کی گستاخی بھی اور آخرت میں روسیاہی بھی — سو اس سے بچنا ہی چاہیے اسی میں سلامتی ہے۔

مولانا ابوالحسنات محمد احمد بھی تو آخر بریلوی ہی تھے وہ اگر اس انداز میں سوچ سکتے ہیں تو انکی سوچ سے مسلمانوں کو کیا پھر اتحاد کی گم گشتہ دولت نہیں مل سکتی۔ مولانا مرحوم نے مسلمانوں میں اتحاد کی فضا پیدا کرنے کے لیے ۱۹۵۵ء کو جو بیان دیا تھا۔ اسے ہم ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

مولانا ابوالحسنات نے فرمایا:

"مجھے کہا گیا ہے کہ میں معین طور پر بیان کروں کہ بریلویوں اور دیوبندیوں کے درمیان اساسی عقائد کے اعتبار سے کیا اختلاف ہے؟ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بریلی اور دیوبند دونوں جگہ ہر خیال اور ہر عقیدہ اور ہر مذہب کے لوگ موجود ہیں اس لیے بریلویوں اور دیوبندیوں کے اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا موضوعِ تقریر کا یہ عنوان ہی صحیح نہیں۔ علاوہ ازیں بریلی اور دیوبند دونوں مقام ہندوستان میں رہ گئے، اس لیے پاکستان میں ان کے اختلاف کا سوال بے معنی ہے۔ اگر موضوع سے مراد یہ ہے کہ بریلی کی دینی درسگاہ اور دیوبند کی دینی درسگاہ سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے والوں کے نظریات و افکار کے اختلاف پر روشنی ڈالی جائے تو میں اعلان کیے دیتا ہوں کہ اساسی عقائد کے اعتبار سے دونوں مکتبوں کے

درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ بریلوی علمار حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ توہین کرنے والے کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں اور دیوبند کے علمار بھی اصولی طور پر اس کلیہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ دونوں سلسلوں کے علمار کے درمیان بعض عبارتوں کے متعلق رائے کا اختلاف ہے۔ بریلوی علمار دیوبندی علمار کی بعض تحریروں پر معترض ہیں اور یہ رائے رکھتے ہیں کہ ان تحریروں کے ظاہری معانی کو صحیح سمجھنے والا شخص گمراہ ہے۔ دیوبندی اپنے اکابر کی ان تحریروں کو قابلِ گرفت یا موردِ تنقید خیال نہیں کرتے لیکن اصول و اساس میں بریلوی علمار سے سو فیصدی متفق ہیں۔" لے

اصلاح حال کی ایک مؤثر تجویز

سمجھ دار لوگ ماضی سے سبق حاصل کرتے ہیں رفتارِ زمانہ بتا دیتی ہے کہ عامۃ الناس نے کسی پہلی تحریک سے کیا اثر لیا ہے۔ ماضی سے آنکھیں بند کر کے مستقبل کے اندھیروں میں چلے جانا کوئی دانائی نہیں۔ مولانا احمد رضا خان نے جب سے اہل السنۃ والجماعۃ کے دو ٹکڑے کئے ان کی اس تحریک پر اس پہلو سے بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس تحریک کو نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہو رہا ہے۔ علمائے حق کے خلاف غلط پروپگنڈا اب تک جاری ہے الزامات کی بھرمار ہے تحریف کا کوئی پہلو نہیں جو علمار حق کی عبارات میں نہ لایا گیا ہو۔ توہین رسالت کے اشتعال انگیز الزام سے مسلمانوں کے ان پڑھ طبقے کو بُری طرح بھڑکایا گیا مگر فطرت کا فیصلہ دیکھئے کہ اس تمام کارروائی کے باوجود دونوں مسلک اپنی اپنی جگہ موجود ہیں۔ دونوں کی مساجد ہیں اور ان کے مدارس ہیں۔ عامۃ المسلمین جو مذہبی جھگڑوں کو پسند نہیں کرتے اور انہی کی اکثریت ہے وہ بغیر کسی امتیاز کے ہر دو مسلک کے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں اور جو لوگ یہاں سے حج پر جاتے ہیں انکی ننانوے فیصد اکثریت ائمہ حرمین کے پیچھے نماز پڑھتی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں نماز جنازہ کے موقعہ پر آپ نے عام دیکھا ہوگا کہ عوام بلا کسی امتیاز کے ہر امام

لے روزنامہ نوائے وقت پاکستان لاہور ۲۰ اپریل ۱۹۵۵ء

کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔

کیا قادیانیوں کے بارے میں بھی کبھی اس قسم کی رواداری دیکھی گئی ؟ قطعاً نہیں۔ قادیانی میتیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہو پائیں اس کے لیے ہم نے تحریکیں چلتی دیکھیں لیکن اس قسم کا اعتقادی فاصلہ آپ نے دیوبندی اور بریلوی جنازوں اور اماموں کے مابین کبھی نہ دیکھا ہوگا۔

صورتِ حال کا صحیح جائزہ

اس صورت حال سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ عامۃ المسلمین نے اور مسلمانوں کے عام پڑھے لکھے طبقے نے مولانا احمد رضا خان کے اس اعلانِ تکفیر کو کبھی دل سے قبول نہیں کیا۔ خان صاحب کے پیرو علماء جن باتوں کو اختلافات کہہ کر پیش کرتے ہیں عام پڑھا لکھا طبقہ انہیں الزامات سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا الٹا اسے تفریق بین المسلمین کی ایک مذموم کوشش کہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دیوبندی بریلوی اختلافات کی وجہ سے آج تک کسی عدالت میں کوئی نکاح فسخ نہیں ہوا اور نہ دیوبندی بریلوی مسلمانوں کے اس قسم کے اختلافات سے کہیں رشتے ٹوٹے ہیں اور نہ کسی شہر میں ہم نے دیوبندیوں اور بریلویوں کے علیحدہ علیحدہ قبرستان دیکھے ہیں اس کا حاصل اس کے سوا کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ مولانا احمد رضا خان کی تحریک تکفیر عالمی اور ملکی سطح پر فیل ہو چکی ہے اور بریلوی علماء کی تمام تر کوششوں کے باوجود عام مسلمان مولانا احمد رضا خان کے اس فتویٰ تکفیر کو رد کر چکا ہے۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ہم علماء دیوبند ہوں یا بریلوی عوام ہر دو کو اہل السنۃ والجماعۃ ہی سے سمجھیں۔

اصلاحِ حال کی مختلف کوشش

مولانا احمد رضا خان کے قریب کے لوگوں میں اس صورتِ حال کا احساس پہلے مولانا عبدالعلیم صاحب صدیقی کو ہوا۔ آپ نے مبلغ اسلام کی حیثیت سے مختلف افریقی ممالک اور جزائر غرب الہند وغیرہ کے دورے کیے۔ باہر کی دنیا کو قریب سے دیکھا اور مسلمانوں کی وحدت ان کے سامنے ایک ضرورت بن کر ابھری۔ نیو کاسل جنوبی امریکہ کے مولوی

قاسم سیما، کیپ ٹاؤن کے مولانا قطب الدین صدیقی، ڈربن کے مولانا عبدالحق عمرجی، ٹرنی ڈاڈ کے مولانا آدم جی، سوری نام کے حاجی گلاب دین اور جزیرہ باربیڈوس کے مولوی یوسف اور برٹش گھیانا کے دینی حلقوں سے پوچھیے کہ مولانا عبدالعلیم صدیقی کس طرح ہر جگہ دارالعلوم دیوبند اور علمائے دیوبند کی علمی منزلت اور خدمات حدیث کا کھلے بندوں تذکرہ کرتے رہے انہیں سننے اور دیکھنے والا ہر شخص محسوس کرتا تھا کہ وہ مولانا احمد رضا خاں کی تکفیر سے کلیۃً بیزار ہو چکے ہیں۔ مولانا عبدالعلیم کے داماد فضل الرحمٰن صاحب بھی اسی عقیدہ پر چلے ان کے خطوط جن میں انہوں نے بریلویوں کے شوق تکفیر کی مذمت کی جنوبی امریکہ کے سفر میں کئی ہماری نظر سے بھی گذرے ہیں۔ سیاست کا برا ہو کہ اس نے مولانا عبدالعلیم کے بیٹے کو پھر مولانا احمد رضا خاں کی لائن پر ڈال دیا جس سے ان کے والد صاحب اتر چکے تھے۔

پاکستان بننے کے بعد مولانا ابوالحسنات محمد احمد نے کچھ اس طرف توجہ کی ان کا بیان آپ روزنامہ نوائے پاکستان کے حوالہ سے ملاحظہ فرما چکے مگر افسوس کہ ان کے بعد ان کے بیٹوں کو بریلوی قیادت میں آگے نہ آنے دیا گیا اور ان کی بجائے ان کے بھتیجے مولانا احمد رضا خان کی لائن پر چل کر پھر سے تکفیر کے سگنل دینے لگے۔

بھیرہ کے پیر کرم شاہ صاحب کا تردیدی بیان

پیر کرم شاہ صاحب بھیروی چند دنوں کے لیے مصر گئے تھے۔ علماء ازہر کو انہوں نے قریب سے دیکھا تھا انہوں نے کچھ ہمت کی اور مولانا احمد رضا خاں کے اس فتوے[1] کی پرزور تردید کی جو انہوں نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خلاف لکھا تھا کہ مولانا (معاذ اللہ) ختم نبوت کے قائل نہ تھے۔ پیر کرم شاہ صاحب مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

---

[1] مولانا احمد رضا خان کا یہ الزام پر ور غلط فتویٰ انکی کتاب حسام الحرمین کے ص پر موجود ہے مولانا احمد رضا خان نے اس میں حضرت مولانا محمد قاسم کی کتاب تحذیر الناس سے مختلف عبارات لے کر انہیں ملا کر ایک عبارت بنائی ہے حالانکہ یہ عبارت اس طرح تحذیر الناس میں کہیں نہیں ہے۔ یہ عبارت اس طرح اس لیے جوڑی گئی کہ اس پر فتوئے تکفیر آسانی سے اتارا جاسکے۔

حضرت قاسم العلوم کی تصنیف لطیف مسمّی بہ تحذیر الناس کو متعدد بار غور و تامل سے پڑھا اور ہر بار نیا لطف و سرور حاصل ہوا۔ علماء حق کے نزدیک حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلاۃ وسلام متشابہات سے ہے اور اس کی صحیح معرفت انسانی حیطہ امکان سے خارج ہے لیکن جہاں تک فکر انسانی کا تعلق ہے حضرت مولانا قدس سرہٗ کی یہ نادر تحقیق کئی شپرہ چشموں کے لیے سرمہ بصیرت کا کام دے سکتی ہے۔ رہے فریفتگان حسن مصطفوی تو ان کے بے قرار دلوں اور بے تاب نگاہوں کی وارفتگیوں میں اضافہ کا ہزار سامان اس (تحذیر الناس) میں موجود ہے۔[1]

بریلوی علماء عام طور پر اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ پیر کرم شاہ صاحب کا تعلق مشائخ پنجاب سے ہے جیسے خواجہ محمود صاحب تونسوی، حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحب سیالوی، جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی۔ ان حضرات نے علماء دیوبند کی تکفیر میں مولانا احمد رضا خان کا ساتھ نہیں دیا بلکہ علماء دیوبند سے اپنے روابط قائم رکھے اس لیے پیر کرم شاہ صاحب کی تحریرات ہم پر حجت نہیں ہیں۔

پیر کرم شاہ صاحب دیوبندی بریلوی ہر دو طبقوں کو اہل السنۃ والجماعۃ ہی سے سمجھتے ہیں ان میں قطعی تفریق کے قائل نہیں چنانچہ ایک مقام پر تفریق ملت کا المیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

> اس باہمی اور داخلی انتشار کا سب سے المناک پہلو اہل السنۃ والجماعۃ کا آپس میں اختلاف ہے جس نے انہیں دو گروہوں میں بانٹ دیا ہے۔ دین کے

---

[1] ہم نے پیر کرم شاہ صاحب کے اس خط کا عکسی فوٹو شرح تحذیر الناس کے مقدمہ میں ص۲۵ اور ص۲۶ پر دے دیا ہے۔ پیر صاحب کا خط پہچاننے والے اس کو اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں۔ تحذیر الناس کی یہ شرح مکتبہ حنفیہ گلی مسجد گوجرانوالہ نے شائع کی ہے اور مکتبہ ختم نبوت اردو بازار لاہور سے مل سکتی ہے۔

اصولی مسائل میں دونوں متفق ہیں اللہ تعالیٰ کی توحید ذاتی صفاتی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم نبوت قرآن کریم، قیامت اور دیگر ضروریات دین میں کلی موافقت ہے۔[۱]

مولانا عبدالستار صاحب نیازی نے بھی اتحاد کا ایک فارمولا پیش کیا تھا اس میں انہوں نے صریح طور پر لکھا تھا کہ علمائے دیوبند کی عبارات کا وہی مطلب مراد لیا جائے جو انہوں نے اپنے عقائد کی وضاحت میں المھند علی المفند میں لکھ دیا ہے۔ اس بات کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ ان عبارات کا جو مطلب مولانا احمد رضا خان نے حسام الحرمین میں لکھا اسے چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور تصنیف را مصنف نیکو کند بیان کے اصول کے مطابق علماء دیوبند کی عبارات کا وہی مطلب مراد لیں جس کی خود انہوں نے المھند میں وضاحت کر دی ہے۔ یہ بات کسی طرح لائق قبول نہیں کہ عبارت کسی کی ہو اور اس کا مطلب کوئی دوسرا شخص بیان کرے خصوصاً جب کہ مصنف خود اپنی مراد واضح کر چکا ہو۔

افسوس کہ علماء سو نے مولانا عبدالستار نیازی کی اس تجویز کو بھی ٹھکرا دیا اور جب بھی ان میں کوئی شخص حقیقت حال کی تائید کیلئے اٹھا انتشار پسند علماء سُو اس کے آڑے آ گئے۔

جب تک علماء اختلاف کے موقعہ پر ایک دوسرے کو اس کی بات کی توجیہ و تشریح کا حق دیتے رہے مسلمانوں میں اتحاد من حیث الجماعت کسی نہ کسی درجے میں باقی رہا بے دینوں اور ملحدوں کے حوصلے پست رہے لیکن جب سے تعصب نے شدت اختیار کی نتیجہ آپ کے سامنے ہے کہ شیطان دن دہاڑے کبڈی کھیل رہا ہے اور کوئی شخص اس کے پاؤں میں بیڑی ڈالنے والا نہیں ہے۔

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق بات واضح کر دی ہے، جو شخص نیک نیتی سے اس کتاب کو پڑھے گا، وہ کبھی اہل حق سے بدگمان نہ رہے گا یہ ناچیز کوشش ان الجھے ذہنوں کو قریب کرنے اور شیرازہ ملت کو یکجا کرنے کے لیے مخلصانہ صدا ہے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس پر لبیک کہیں

خالد محمود عفی عنہ حال مقیم مانچسٹر

---

[۱] تفسیر ضیاء القرآن ص۴

ہو جس پہ عبادت کا دھوکا، مخلوق کی وہ تعظیم نہ کر
جو خاص خدا کا حصہ ہے، بندوں میں اُسے تقسیم نہ کر

ایک روز مولانا عبدالحی صاحب نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں عرض کیا مجھے سلوک الی اللہ کی تعلیم کیجئے۔ نماز میں حضورِ قلب کی استدعا کی جیسا کہ صحابہ کی نماز میں ہوتا تھا۔ شاہ صاحب نے فرمایا سید احمدؒ سے رجوع کرو آپ حضرت سید صاحبؒ کی خدمت میں رہنے لگے۔ ایک رات اچانک وضو کا حکم دیا اور نماز کا امر فرمایا۔ نماز میں ایسے مشاہدہ جلال میں غرق ہوئے کہ کچھ ہوش باقی نہ رہا۔ مولانا عبدالحی صاحب نے نماز کے فوراً بعد سید صاحبؒ کی بیعت کر لی اور زندگی بھر نماز کا لطف اٹھاتے رہے آپ نے اس کا ذکر شاہ اسمٰعیل صاحبؒ سے بھی کیا۔ شاہ صاحب نے بھی بیعت کر لی۔ نماز کا یہ مقام خوش قسمت لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ نماز میں کسی اور طرف دھیان نہ باندھے ہمہ تن ہمت خدا کی طرف لگائے کسی دوسری طرف صرف ہمت نہ کرے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ نے یہ بات بیان بھی کر دی جسے حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے صراطِ مستقیم کے دوسرے باب میں نقل کر دیا تھا قارئین کے لیے یہ نعمتِ عظمیٰ ہے جو کھل کر سامنے آگئی لاکھوں انسان نماز کی لذت سے آشنا ہوئے جن کی قسمت میں یہ نماز نہ تھی اسے یوں لے اُڑے کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے ہاں نماز میں نبی کا خیال آنا نماز کی آفت ہے وہ خیال آنے اور خیال باندھنے میں فرق نہ کر سکے۔ علمائے حق کے خلاف الزامات میں یہ اُن کا ناشتہ ہے۔

حضرت سید احمد شہیدؒ کا مقامِ ولایت

تحریر شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمدُ لِلّٰہِ وَسَلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علیٰ سید الرسل و خاتم الانبیاء اما بعد فانما یخشی اللہ من عبادہ العلماء و افضل الدماً دماء الشہداء فانھم الذین قتلوا لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا

علماء کرام کی کاوشوں اور قربانیوں سے دین کی عمارت قائم اور ان کے خطبہ و فتوے سے دین کی شوکت دائم ہے انبیاء کی وراثت درہم و دینار نہیں ان علماء حق کا وجود ہے جو احکام الٰہی کے امین اور تشریح ربانی کے مسند نشین ہیں۔ تاہم انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دین کا مغز اہلِ معرفت پر ہی کھولا جاتا ہے اور وہی حکمت سماوی کے اسرار کی دولت پاتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی زندگی خشیت الٰہی کے جلو میں ظاہر ہوتی ہے اور یہی حقیقت میں علماء ربانی ہیں۔ جو دین کے احکام و رموز کی گہرائیوں میں اتر کر اس کی حقیقی لطافت پاتے ہیں اور اپنی توجہ باطنی سے اپنے حلقہ عقیدت کے دل گرماتے ہیں

سلسلہ نبوت کے ختم ہونے پر ولایت کا دروازہ پوری وسعت سے کھلا فیض روح القدس کی پھوار دلوں پر اترتی رہی اور اس اُمت کے ہزاروں نفوس قدسیہ تجلیات ربانی کی لہروں میں لپٹ کر اس مقامِ محبت میں داخل ہو گئے جس میں سالک اپنی ذات میں فنا اور خدا کی ذات سے بقا کی دولت پاتا ہے اس بقا کی دولت پانے والوں کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں۔ گو تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔

انہی خوش قسمت اولیاء اللہ میں حضرت سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسمٰعیل محدث دہلویؒ بھی تھے۔ یہ وہ بزرگ ہیں جو عرفان و علم کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر کر قربانیوں سے اپنی تیاز مکین کر چکے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نماز کے مقامِ توحید کی لذت بخشی تھی اور ان کی نماز اتنی اونچی تھی کہ شیطان سٹ پٹا کر رہ گیا۔

اولیاء کرام کی بڑی دولت ولایت ہے اور ولایت اللہ تعالیٰ سے محبت اور دوستی کا وہ تعلق ہے جس پر یہ حضرات جم جاتے ہیں۔ ان کی ہمت مقصود پر توجہ جمانا ہوتی ہے اور ان کی محنت ہر کسی کو اللہ کے سامنے لانا ہوتی ہے ان حضرات کی پوری زندگی رضائے الٰہی کی طلب تھی اور اسی کا ثمرہ تھا کہ نماز کا مقامِ توحید ان پر کھلا اور یہ سب حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فیض نظر اور اثر محبت تھا۔

مجاہد شہید حضرت سید احمد کے ان روحانی مقامات و ارشادات کو ان کے خلفاء نے قلمبند کیا۔ صراط مستقیم انہی روحانی افاضات اور باطنی اصلاحات کا مجموعہ ہے۔ مقدمہ باب اوّل اور بابِ چہارم حضرت شاہ اسمٰعیل کا تحریر کردہ اور بابِ دوم اور بابِ سوم حضرت مولانا عبدالحئی دہلوی کا تحریر فرمودہ ہے اور یہ دونوں حضرات خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ کتاب بظاہر مولانا اسمٰعیل شہید کی طرف منسوب ہے اور اسی عام شہرت کے



باعث کتاب زیرِ نظر میں جا بجا اس کی نسبت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی طرف کی گئی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ نہ یہ ان کی کتاب ہے نہ اس کی خاص زیرِ بحث عبارت ان کی قلمبند کردہ ہے۔ یہ عبارت باب دوم میں ہے جو حضرت مولانا عبدالحیؒ نے قلمبند کیا تھا اور مجموعی کتاب ان دونوں کے شیخ طریقت حضرت سید احمدؒ کے اصلاحی ارشادات ہیں۔ حق یہ ہے کہ یہ بحث نماز کے مقام توحید کو سمجھانے کے لیے ایک عطیہ الٰہی ہے۔

ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ حضرت شیخ کی مُراد بیان قارئین پر کھل جائے اور وہ نماز کے مقام توحید کو پاکر اس کے ثمرات اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگیں۔ اور قرب الٰہی کی دولت خود ان کی آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہو جائے۔

کتاب صراطِ مستقیم اور اس کی یہ عبارت شہرت عام میں حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کی طرف منسوب ہے اس لیے مناسب معلوم ہُوا کہ حضرت شاہ اسماعیلؒ کے عقائد و نظریات پر سند اور جزئیات بھی ہدیہ قارئین کردی جائیں۔ ہو سکتا ہے ان اولیاء اللہ کے خلاف بے بنیاد اور خلافِ مراد باتیں کہنے والے اس میں اپنے وسوسوں سے شفا پائیں۔ ان ارید الا الاصلاح وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

حضرت شاہ اسمٰعیلؒ کا رسالت کے بارے میں عقیدہ

بشر کے حق میں رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں باقی سارے مراتب اس سے نیچے ہیں[1]

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نور بھی مانتے تھے آپ ایک جگہ کہتے ہیں:-

سو اوّل ہی پیدا ہوا ان کا نور | بلطفِ ہر کیا گو کہ آخر ظہور
الٰہی ہزاروں درود سلام | تو بھیج اس پہ اور اسکی اُمت پہ عام[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھتے ہیں:-

سب انبیاء و اولیاء کے سردار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور لوگوں نے ان کے بڑے بڑے معجزے دیکھے انہی سے سب اسرار کی باتیں سیکھیں اور سب بزرگوں کو انہی کی پیروی سے بزرگی حاصل ہوئی[3]

پھر لکھتے ہیں:-

"ہمارے پیغمبرؐ سارے جہاں کے سردار ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ سب سے بڑا ہے اور اللہ کے احکام پر آپ سب سے زیادہ قائم اور لوگ اللہ کی راہ سیکھنے میں ان کے محتاج ہیں[4]"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبرؐ کا درجہ بڑے بھائی کے برابر قرار دینا بالکل کفر ہے آپ کا مرتبہ تو سب سے بڑا ہے علم سیکھنے میں سب آپؐ کے محتاج ہیں پس کسی کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی برابری نہیں کر سکتا۔ آپ لکھتے ہیں:-

دین کی سب باتیں خدا نے اپنے رسولؐ کو بتلا دیں[5] پھر لکھتے ہیں:-

آپؐ کا علم تمام جہان میں پھیلا ہوا ہے[6]

ان تصریحات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ صحیح العقیدہ اہل سنت والجماعت بزرگ تھے اور حقیقت میں انہی جیسے بزرگوں پر نماز میں مقام توحید کھلتا تھا۔ حضرت مولانا حضورؐ کثرت سے درود و سلام کے قائل تھے۔ ہم حضرت مرحوم کے اس شعر پر اس تعارف کو ختم کرتے ہیں۔

الٰہی ہزاروں درود و سلام | تو بھیج اس پہ اور اس کی اُمت پہ عام

---

[1] تقویۃ الایمان ص۵۳ [2] مثنوی سلک نور ص۴ [3] تقویۃ الایمان ص۲۱ [4] ایضاً ص۵۵ [5] ایضاً ص [6] صراطِ مستقیم ص۶۷

نماز کا مقامِ توحید

نماز کی اہمیت

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اللہ خیر اما یشرکون

کلمہ شہادت کے بعد اسلام کا دوسرا رکن نماز ہے یہ ایک روحانی عمل ہے جس سے انسان بتدریج خدا تک پہنچتا ہے، نماز بندے کو خدا سے ملاتی ہے اور بندہ نماز میں خدا سے مناجات کرتا ہے۔ سارا دن اپنے دنیوی کاموں میں گزرا تھا اس میں صرف نماز کی گھڑیاں ہیں، جن میں وہ مالک حقیقی کے آگے سراپا عجز و نیاز حاضر ہے اور اپنے پیدا ہونے کا حق ادا کر رہا ہے۔ یہی چند لمحات ہیں جن کی خاطر انسان کو خلعت کی قبا پہنائی گئی تھی

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۵۶ الذاریات

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی لیے پیدا کیا کہ وہ مجھے پہچانیں، میری عبادت کریں۔

عبادت اگر واقعی عبادت کے طور پر ہو تو بندہ ان گھڑیوں میں اپنے مقصد تخلیق کو پالیتا ہے اور پھر اس کا فیضان اس کی پوری زندگی پر پھیلتا نظر آتا ہے یہ بندۂ مومن کی نماز ہے جس نے اسے قائم کرلیا اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے اسے ضائع کیا اس نے دین کی عمارت گرا دی۔

نماز کے کچھ آداب ہیں یہ وہ طریقے ہیں جن سے نماز ادا ہوتی ہے، بہترین طریق نماز حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے پھر نماز میں نماز کے مقامات ہیں یہ بندہ مومن کا تدریجی عروج ہے۔ پھر نماز کے کچھ ثمرات ہیں یہ اس کا وہ فیضان ہے جو پوری زندگی پر پھیلتا ہے اصولاً

یہ الٰہی یاد ہے اور مالک کے حضور میں غلام کی حاضری ہے مالک کریم قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں

اقم الصلوٰۃ لذکری پ۱۶ طٰہٰ ع ۔ اور نماز قائم رکھ میری یاد میں۔

نماز سے مقصود اعظم خدا کی یاد ہے اور نماز سے غفلت خدا سے غافل رہنا ہے نماز کے بغیر خدا کے آگے جھکنے کی کوئی راہ نہیں۔ وہی مومن فلاح پاتے ہیں جو نماز میں مالک کے آگے جھکنے والے ہوں۔

قد افلح المومنون ہ الذین ھم فی صلوٰتہم خاشعون پ۱۸ المومنون

کامیاب ہوگئے وہ مومن جو اپنی نمازوں میں جھکنے والے ہیں

مومن کا خشوع وخضوع اور سجدہ و رکوع اسے روحانی عروج بخشتے ہیں کچھ عرصے کی مشق اور اقامت اسے مقامِ نماز سے آشنا کر دیتی ہے بندہ جتنا خدا کے آگے گرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اتنا ہی اٹھاتے ہیں وہ جتنا عبدیت کا اقرار اور بندگی کا اظہار کرے اسے اتنا ہی سرفراز فرماتے چلے جاتے ہیں۔ اور ان مقاماتِ قرب کی کہیں انتہا نہیں۔

؎ جو گرے ہیں تیری راہ میں وہی در اصل ہیں سنبھل گئے

حدیث میں ہے: اقرب ماکون العبد من الرب فی الصلواۃ ۔ بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ نزدیک حالت نماز میں ہوتا ہے۔ وہ جتنا جھکے دل سے حاضری دے قرب الٰہی میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

واسجد واقترب پ۳۰ العلق ۔ اپنے رب کو سجدہ کر اور قرب میں بڑھتا چلا جا۔

بندہ سجدے میں اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ حکم ہوا کہ اس میں تو زیادہ سے زیادہ بڑھتا چلا جا یہی تیرا اقتراب ہے۔

یہ تدریجی ترقی اور عروج کی مختلف منازل نماز کے روحانی مقامات ہیں۔ نماز اس عروج کا زینہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ الصلوٰۃ معراج المومنین۔

نماز مومنوں کی معراج ہے۔ اور خشوع اس زینہ پر چلنے کی رفتار ہے۔ جتنا خشوع زیادہ ہوگا روحانی عروج کی رفتار اتنی تیز ہوگی۔

خشوع کے معنی اللہ رب العزت کے آگے خوف وہیبت کے ساتھ ساکن اور پست ہونا ہے۔ چہرے، آنکھیں یہاں تک کہ آوازیں بھی اللہ رب العزت کے آگے پست ہوتی ہیں اور خشوع کی نسبت اللہ تعالیٰ نے آوازوں کی طرف بھی کی ہے۔

وخشعت الاصوات للرحمٰن فلا تسمع الا همسا[1]

ترجمہ: اور دب گئیں آوازیں رحمٰن کے حضور میں پھر تم کانوں کان کی سی آواز کے سوا اور کچھ نہ سن پاؤ گے۔

چہرے، آنکھیں، سر اور جملہ اعضاء خدا کے آگے جھکتے اور خشوع کا مصدر بنتے ہیں اس نیاز مندی کا مرکز مومن کا دل ہے اور خشوع اصولاً دل کی صفت ہے۔ دیگر سب اعضا بدنی اس کے تابع ہیں۔ قرآن کریم نے قلوب کو اللہ کے آگے جھکنے والا فرمایا اس کے ثمرات ہیں کہ سر بھی اس کے آگے جھکنے لگتے ہیں اور یہ اس کے مقامات ہیں کہ خیالات اِدھر اُدھر بھٹکتے نہیں ایک مقصود پر جم جاتے ہیں۔ یہ ایک خدا کی عبادت ہے اور توحید کے اسی آئینہ میں رب العزت کا جلوہ نظر آتا ہے اور اسلام کا چہرہ کھلتا ہے۔

دل اللہ تعالےٰ کے آگے جھکیں یہی مردِ مومن کی منزل ہے قرآن کریم میں ہے:

الم یأن للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللّٰہ وما نزل من الحق[2]

ترجمہ: کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں پر کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے گڑگڑا اُٹھیں اور جو اترا ہے سچا دین اس کے لیے جُھک جائیں۔

نماز کے ثمرات کے سلسلے میں بیان فرمایا:

واقم الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللّٰہ اکبر

---

[1] پ۱۶ طٰہٰ ع۶ [2] پ۲۷ الحدید ع۲

واللہ یعلم ما تصنعون ۔ پ ۲۱ العنکبوت ع ۵

ترجمہ : اور قائم رکھ نماز بیشک نماز بے حیائی اور بُری بات سے روکتی ہے ۔ اور اللہ کی یاد سب سے بڑی ہے اور اُسکو خبر ہے جو تم کرتے ہو

یاد رکھنا چاہیئے کہ دوا کے لیے ضروری نہیں کہ اس کی ایک ہی خوراک بیماری کو روکنے کے لیے کافی ہو جائے بعض دوائیں خاص مقدار میں مُدت تک التزام کے ساتھ کھائی جاتی ہیں اس وقت ان کا نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے ، بشرطیکہ مریض کسی ایسی چیز کا استعمال نہ کرے جو اس دوا کی خاصیت کے منافی ہو ۔ پس نماز بھی بلاشبہ بڑی قوی التاثیر دوا ہے ۔ جو روحانی بیماریوں کو روکنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے ۔

دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ نماز کا بُرائیوں سے روکنا بطور اقتضار ہو یعنی نماز کی ہر ایک ہیئت اور اس کا ہر ایک ذکر مقتضی ہے کہ جو انسان ابھی ابھی بارگاہِ الٰہی میں اپنی بندگی فرمانبرداری خضوع اور تذلّل اور حق تعالیٰ کی ربوبیّت الوہیت اور حکومت و شہنشاہی کا اظہار و اقرار کر کے آیا ہے ۔ مسجد سے باہر آ کر بھی بدعہدی اور شرارت نہ کرے اور اس شہنشاہ مطلق کے احکام سے منحرف نہ ہو گویا نماز کی ہر ایک ادا نمازی کو پانچ وقت حُکم دیتی ہے کہ "او بندگی اور غلامی کا دعویٰ کرنے والے" واقعی بندوں اور غلاموں کی طرح رہ اور بزبان حال مطالبہ کرتی ہے کہ بے حیائی اور شرارت و سرکشی سے باز آ ۔ اب کوئی باز آئے یا نہ آئے مگر نماز بلاشبہ اسے روکتی اور منع کرتی ہے ۔

یہ واضح رہے کہ ہر نماز کا روکنا اور منع کرنا اسی درجہ تک ہو گا جہاں تک اس کے ادا کرنے میں خدا کی یاد سے غفلت نہ ہو ۔ کیونکہ نماز محض چند مرتبہ اُٹھنے بیٹھنے کا نام نہیں سب سے بڑی چیز اس میں خدا کی یاد ہے ۔ نمازی ارکان نماز ادا کرتے وقت قرأت قرآن یا دعا و تسبیح کی حالت میں جتنا حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کو مستحضر اور زبان و دل کو موافق رکھّے گا اتنا ہی اس کا دل نماز کے منع کرنے کی آواز کو سُنے گا اور اسی قدر اس

کی نماز برائیوں کو چھڑانے میں مؤثر ثابت ہوگی۔ (تفسیر فوائد القرآن للعلامۃ العثمانی ص۵۲۱)

نماز کے ثمرات نماز کے مقامات پر مرتب ہوتے ہیں عبادت کا اونچا مقام یہ ہے کہ گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہو اور یہ نہیں تو کم از کم اتنا اعتقاد تو ساتھ ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اگر یہ بھی نہیں تو تیری نماز فقط ایک رسم ہوگی عبادت نہیں۔ نماز کی ابتداء نیت باندھنے سے ہوتی ہے اور نیت یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو خدا کے حضور میں حاضر کرے نیت میں حضوری کسی اور طرف نہ ہونی چاہیئے یہ اخلاص فی العبادت کے خلاف ایک بہت بڑی اعتقادی آفت ہے قرآن کریم عبادت کے مقامِ توحید کو یوں بیان کرتا ہے۔

وَمَا اُمِرُوا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِینَ لَہُ الدِّیْنَ۔ حنفاءَ للہ ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ و ذالک دین القیّمہ۔ پ۳۰ البیّنہ

ترجمہ: اور ان کو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی عبادت کریں اسی کے واسطے بندگی خالص کرکے۔ اسی کے لیے یک رُخ ہو کر اور قائم کریں نماز اور دیں زکوٰۃ اور یہی راہ ہے مضبوط لوگوں کی۔

حضور اکرمؐ نے نماز کے مقامِ توحید کو یوں بیان فرمایا:

ان تعبد اللہ کانّک تراہ فان لم تکن تراہ فانّہ یراک

تو اس طرح خدا کی عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور تو اسے دیکھ نہ پائے تو اس طرح عبادت کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

یہ مقام کہ میں خدا کے حضور میں حاضر ہوں وہ مجھے دیکھ رہا ہے **مقام مراقبہ** ہے پھر جب نمازی کو یہ مقام نصیب ہو گویا وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے تو وہ **مقام مشاہدہ** میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور انتہائی مقامات سے گزرتا ہے۔ غایت ہیبت، تعظیم، اجلال، خضوع، خشوع، حیاء، محبّت، انجذاب، شوق، ذوق اور ظاہری و باطنی جمع خاطر کے انتہائی مراتب سے مالامال ہوتا ہے یہ مجاہدہ کے بعد مشاہدہ کی شان ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ[1] (پ ۲۱)

یہ نیت کہ میں خدا کے سامنے حاضری دے رہا ہوں، اس کی بندگی کر رہا ہوں، وہ مجھے دیکھ رہا ہے پوری نماز میں قائم رہنی چاہیئے، نمازی کو اجازت نہیں کہ ایک لمحہ کے لیے خدا سے توجہ ہٹا کر کسی دوسری طرف نیت باندھ لے نماز میں کسی اور طرف صرف ہمت کرنے (یعنی توجہ پھیرنے) کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں عبادت میں کسی اور طرف نیت باندھنے سے اسلام کا عقیدۂ توحید شرک سے آلودہ ہو جاتا ہے، اور اس میں اخلاص (کہ توجہ صرف ایک طرف بندھی ہو) قائم نہیں رہتا پس نمازی کو حق نہیں کہ دوران نماز کسی موقع پر یہ نیت باندھ لے کہ اب میں کسی اور کے سامنے پیش ہو گیا ہوں نہ یہ جائز ہے کہ وہ دوران نماز اپنے پیر و مرشد یا کسی اور بزرگ ولی یا کسی فرشتے کی توجہ باندھ لے، حضرۃ علامہ عینیؒ حدیث احسان کی شرح میں لکھتے ہیں

ان تعبد اللہ عبادۃ من یری اللہ تعالیٰ ویراہ اللہ تعالیٰ فانہ لایستبقی شیاءً من الخضوع والاخلاص وحفظ القلب والجوارح ومراعاۃ الآداب مادام فی عبادتہ[2]

تو نماز میں اس شخص کی سی عبادت کر جو خدا کو دیکھتا ہو اور خدا اسے دیکھ رہا ہو کیونکہ ایسا شخص جب تک نماز میں رہے عاجزی، اخلاص، دل و اعضاء کی حفاظت اور آداب کی رعایت میں کوئی بات رہنے نہیں دیتا (کمی نہیں کرتا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ عزوجل مقبل علی المصلی مالم یلتفت

اللہ تعالیٰ نمازی کی طرف متوجہ رہتے ہیں جب تک وہ کسی طرف توجہ نہ پھیرے

حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ نمازی جس طرح پوری نماز میں اپنے سر اور آنکھ کو کسی اور طرف پھیرنے کا مجاز نہیں وہ اپنے دل کو بھی کسی اور طرف نہ پھیرے[3]

---

[1] پ ۲۱ [2] شرح صحیح البخاری جلد ۳ صہ ۲۸۹ [3] احیاء العلوم جلد ۱ صہ ۱۶۹

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) بھی لکھتے ہیں :

المطلوب استحضار العبد انه بين يدى الحق وملاحظته ومراقبته اياه وهٰذا مقدور للعبد۔[1]

نماز میں مقصود بندے کا یہ استحضار ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے سامنے حاضر ہے اسے دیکھ رہا ہے اور یہ کہ وہ اس پر توجہ کئے ہیں۔ بندے کے اختیار میں بس یہی ہے

حاصل اینکہ مومن جب تک نماز میں ہے اسے کسی دوسری طرف توجہ باندھنے کی اجازت نہیں نماز میں کسی انسان کی طرف توجہ باندھنا شرعاً منع ہے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ایک دوسری بحث میں لکھتے ہیں :

خطاب کردن بہ بشر در نماز منہی عنہ است۔[2]

ترجمہ: نماز میں کسی انسان کو مخاطب کرنا منع ہے۔

مومن جب تک نماز میں رہے اسے کسی طرف توجہ باندھنے کی اجازت نہیں کہ سمجھے اب میں کسی اور کے سامنے حاضر ہو گیا ہوں نہ نماز میں کسی اور کی تعظیم کی اجازت ہے حتیٰ کہ کسی اور شخص نے نماز پڑھتے ہوئے کسی اور شخص سے جو نماز میں شامل نہیں ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سنا اور درود شریف پڑھ لیا تو اس کی نماز جاتی رہی کیونکہ اس نے نماز میں اراداتاً اور تعظیماً اپنی توجہ حضورؐ کی طرف پھیر لی تھی اور تو اور۔ مولوی امجد علی صاحب بھی لکھتے ہیں نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر درود پڑھا نماز جاتی رہی۔[3]

بے شک نیت دل کا فعل ہے[4] نمازی جب اخلاص سے نماز کی نیت باندھتا ہے تو اسے پوری نماز میں اللہ تعالیٰ کے حضور خوف وہیبت اور بندگی وعاجزی سے حاضر رہنا چاہیئے پوری نماز میں وہ کسی اور طرف نیت نہ پھیرے ورنہ نماز نہ رہے گی اور توجہ مقصود

---

[1] لمعات التنقیح جلد اوّل صہ ۶۹ [2] مدارج النبوۃ جلد ۱ صہ ۴۱۰ [3] بہار شریعت حصّہ سوم صہ ۱۰۵ صہ ۱۶۱ [4] درمختار میں ہے المعتبر فيها عمل القلب جلد ۱ صہ ۳۸۵

پر نہ جمے گی مومن کمال التفات سے اپنے مقصود پر توجہ جمالے تو وہ نماز کی سعادت کو پالے گا

امام ربانی مجدّد الف ثانیؒ (۱۰۳۵ھ) ایک خط میں لکھتے ہیں:

جب تو ہمت[1] کو پوری توجہ سے طلب کرے تو تجھے بشارت ہو کہ تو صحیح اور کامیاب واپس لوٹے گا لیکن اس میں ایک ضروری شرط ہے وہ یہ کہ قبلہ توجہ صرف ایک ہو توجہ اگر ایک مقصود سے تجاوز کرے گی تو یہ سالک کا اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے۔[2]

مومن نماز سے اپنے روحانی سفر کی ابتدا کرتا ہے اور اس کی انتہا بھی نماز میں ہی کھلتی ہے اس منتہی درجہ میں پھر کئی مقامات ہیں اور ترقی کی کوئی انتہا نہیں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی قرب الٰہی کی لذت کسی ایک مقام پر منتہی نہ تھی آپؐ کو ہر نماز میں قرب الٰہی کی ایک نئی دولت ملتی تھی۔ پس مومن جب تک نماز میں ہے وہ اس نیت کا پابند ہے جو اس نے ابتداء نماز میں کی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہے وہ نماز میں کسی وقت اس نیت سے باہر آکر کسی دوسری طرف پھرنے کا مجاز نہیں۔ علامہ طحطاویؒ لکھتے ہیں:

الاخلاص للہ تعالیٰ علی معنی انہ لایشرک معہ غیرہ فی العبادۃ

ترجمہ: نیت کو خدا تعالیٰ کے لیے خالص کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ اس میں کسی اور کو اس کے ساتھ نہ ملائے۔[3]

نماز مومنوں کی معراج ہے

نماز مومن کی معراج ہے اور اسی سے وہ زینہ بزینہ روحانی مقامات طے کرتا ہے بس نماز کی ہر دخل شیطانی سے حفاظت کرنا بہت ضروری ہے نماز کا جوہر یہ ہے کہ قبلہ توجہ اور

---

[1] ہمت صوفیائے کرام کی ایک اصطلاح ہے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

[2] المنتخبات صـ۳۲ [3] ردالمحتار جلد اوّل صفحہ ۲۸۵

مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مومن کے لیے یہ دنیا امتحان گاہ ہے یہاں عبادت بھی امتحان کا مورد بنتی ہے اور شیطان نمازی کو بھی ہر قدم پر نماز کے ثمرات اور اس کی صحیح کیفیات سے محروم کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ شیطان نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں کہا تھا کہ میں تیرے بندوں پر ہر طرف سے حملہ کروں گا اور اس کا یہ حملہ آج تک جاری ہے ہاں جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں ان پر اسے قبضہ نہیں ملتا۔ اور یہ ان پر خدا کی نظر کرم ہے۔

نماز میں دور از کار خیالات کی آمد اور طرح طرح کے وسوسے نماز کی آفتیں ہیں ان کی وجہ سے نمازی یکسوئی اور خشوع کی لذت سے محروم رہتا ہے پھر ان آفتوں کے کئی درجے ہیں اور اندھیروں پر اندھیرے ہیں سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ نماز میں توجہ ماسوی اللہ پر بھی لگی رہے اور یہ توجہ تعظیم و احترام کی انتہائی شان کے ساتھ ہو اس صورت میں یہ محض دھیان یا خیال نہ رہے گا عبادت بن جائے گا اور اللہ رب العزت کی عبادت کے ساتھ ساتھ ایک اور متوازی عبادت راہ پائے گی۔ یہی شرک ہے پھر جب اس قسم کا دھیان خود لایا جائے اور اس موضوع پر اس طرح توجہ جمائی جائے کہ نمازی کی توجہ اللہ تعالیٰ پر بھی نہ رہے اس سے پھر جائے جسے صرفِ ہمت (پوری توجہ پھیرنا) کہتے ہیں تو یہ ایمان کی پوری ہلاکت ہے۔

ضروری ہے کہ نماز کی ہر دخل شیطانی سے حفاظت کی جائے قرآن کریم میں ہے:

حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قانتین (پ۲ البقرہ ع۱۴)

ترجمہ: حفاظت کرو سب نمازوں کی اور درمیانی نماز کی اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے۔

اس آیت شریفہ میں نماز کی حفاظت کی یہ راہ بتلائی کہ اس میں پوری عاجزی سے اللہ کے حضور میں کھڑے رہو ایسی کوئی حرکت یا نیت نہ کرو کہ جس سے معلوم ہو کہ اب تم نماز نہیں پڑھ رہے یا تم نے اللہ کے سامنے حاضر ہونے سے نیت بدل لی ہے اور توجہ کسی اور طرف پھیر لی ہے۔ یہ آیت بتلاتی ہے کہ پوری نماز میں اللہ کے حضور میں حاضر رہنا چاہیئے

اور یہی ارادہ وہمت نماز کی پوری حفاظت ہے درمیانی نماز عین اس وقت آئی جب انسان زیادہ تر دنیوی امور میں مصروف ہوتا ہے اور اس کی توجہ کئی طرف بٹی ہوتی ہے اس کا خصوصی ذکر فرما کر تاکید کی کہ اس نماز کو یکسوئی اور ادب کی لازوال دولت سے آباد کرو جس طرح کی یہ نماز ہے اسی طرح پوری پابندی سے ادا کی جائے نمازوں میں ترتیب رہے وقت پر پڑھی جائیں۔ ارکان سُنت کے مطابق ادا کیئے جائیں اسی طرح نماز کی یہ حفاظت بھی کی جائے کہ اسے اندرونی آفتوں سے بچایا جائے دور از کار خیالات کی آمد سے کسی دوسری طرف توجہ جانے اور صرفِ ہمت کرنے سے اس کی پوری حفاظت کی جائے، اور قوموا للہ قانتین کے حکم الٰہی کے تحت پوری نماز میں اللہ کے حضور میں حاضری رہے اور ارادہ عبادت کی انتہائی حالت قنوت اور عاجزی صرف اسی کے سامنے ہو

قرآنی مضامین بہ نیّت تلاوت

نماز میں قرآن شریف کی قرأت کرتے ہوئے ان واقعات اور مضامین کی طرف ذہن چلا جاتا ہے جو اس حصہ قرأت میں مذکور ہوں اور ان میں بسا اوقات خطاب کے صیغے بھی آجاتے ہیں جیسے وَاِنِّی لَاَظُنُّكَ یٰفِرۡعَوۡنُ مَثۡبُوۡرًا (پ۱۵ بنی اسرائیل ع۱۲) تو ایسے موقعوں پر نماز پڑھنے والے کو ہمیشہ تلاوت کی نیت رکھنی چاہیئے۔ تلاوت سے مُراد ان الفاظ اور مضامین کی ثانوی ادائیگی ہے۔ یہ عبادات اور الفاظ جب اپنے موقع پر کہے گئے تھے تو یہ ان کی اَوّلی ادائیگی تھی اب انہیں جب بھی دہرائیں یہ ان کی ثانوی ادائیگی ہوگی۔ عربی میں تلاوت ثانوی ادائیگی کو کہتے ہیں۔ چاند سورج کے پیچھے پیچھے چلے تو اسے والشمس وضحٰها والقمر اذا تلاها (پ۳۰) ترجمہ: قسم ہے سورج کی اور دھوپ چڑھنے کی اسکی اور چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے آئے) سے ذکر کیا گیا ہے۔

نماز میں قرآن شریف پڑھتے ہوئے کہیں خطاب کے الفاظ آئیں تو یہ خیال نہ کرے

کہ میں اب اس شخص کو مخاطب کر رہا ہوں انبیاء کرام کا ذکر آئے اور وہ آیات آئیں جب اللہ تعالیٰ نے انہیں مخاطب کیا تھا تو یہ نیت نہ کرے کہ میں اب ان پیغمبروں کے سامنے حاضری دے رہا ہوں اور انہیں پکار رہا ہوں ان آیات کی قرأت بر سبیل حکایت کرے کہ یہ واقعات کبھی پیش آئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان پیغمبروں کو اس طرح خطاب کیا تھا اگر نمازی یہ نیت کرے کہ وہ اب ان پیغمبروں کو پکار رہا ہے تو اس کی نماز نماز نہ رہے گی ان آیات کا پڑھنا ہمیشہ بہ نیت تلاوت ہونا چاہیئے

جب ان آیات کی تلاوت کرے ۔ یا آدم اسکن انت وزوجك الجنة ۔ یا ابراهیم قد صدقت الرؤیا ۔ وما تلك بیمینك یاموسیٰ ۔ یا زکریا انّا نبشرك بغلام ۔ یا یحییٰ خذ الکتاب بقوّة ۔ یا عیسیٰ انی متوفیك ورافعك الی ۔ یا ایها المدثر قم فانذر ۔ تو ان خطابات سے بر سبیلِ نقلِ واقعات گزرے انشاء (بات اپنی طرف سے کہنے) کی نیت نہ کرے یہ نہ سمجھے کہ میں ان پیغمبروں کو پکار رہا ہوں اپنی نیت یہی رکھے کہ میں خدا کے حضور میں حاضر ہوں اور اسی کے سامنے سراپا عجز و بندگی ہوں یہ بھی نماز کی حفاظت ہے قوموا لله قانتین پر عمل ہے اور اپنی نیت عبادت کو ایک مقصود پر جمانا ہے اس سے توجہ پوری ہمت سے ایک طرف لگ جاتی ہے اس مقام پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا یہ ارشاد بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے

خطاب کردن بہ بشر در نماز منھی عنہ است ۔ مدارج النبوۃ جلد ۱ صفحہ ۴۱

ترجمہ: نماز میں انسان سے مخاطب ہونا ممنوع ہے۔

تشہد کی حالت میں نمازی کی نیّت

تشہد میں بھی نمازی اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہے اور وہ اس وقت بھی قوموا لله قانتین پر عمل پیرا ہے اب بھی اس کی یہی نیّت ہے کہ وہ اللہ کے حضور میں حاضر

ہے اور اللہ تعالیٰ سے توجہ پھیرنے اور صرف ہمت کرنے کی اسے یہاں بھی اجازت نہیں۔

تشہد میں جب وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو اس وقت بھی وہ اللہ کے حضور میں حاضر ہے پوری نماز خدا کی بندگی ہے اور نماز کے کسی بھی حصّے میں اسے نماز کی نیت سے نکلنے کی اجازت نہیں حضورؐ پر سلام پڑھتے ہوئے اگر وہ خدا تعالیٰ سے توجہ پھیر لے اور یہ نیت کرلے کہ اب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پر حاضر ہوں تو اس نیت بدلنے سے نماز نماز نہ رہے گی یہ صرف ہمت ہے جو ممنوع ہے السلام علیك ایھا النبی کہتے ہوئے بھی وہ یہی عقیدہ رکھے کہ وہ خدا کے سامنے پیش ہے اور حضور کو جو سلام بھیج رہا ہے وہ اللہ کے فرشتے حضورؐ پر پیش کر دیں گے، یہ پیغام رسانی فرشتوں کے سپرد ہے اور وہ زمین پر سیاحت کرتے پھرتے ہیں، جہاں کسی نے سلام بھیجا وہ اسے حضورؐ کی خدمت میں پہنچا دیتے ہیں۔ نمازی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ سے توجہ ہٹا کر اسے حضور اکرمؐ پر لگا دے اسلام اس صرفِ ہمت کی اجازت نہیں دیتا نماز عبادت ہے اور صرف اللہ کی عبادت ہے اس میں ارادہ عبادت کی انتہائی حالت اللہ کے سوا کسی اور سے متعلق کرنے کی اجازت نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تشہد میں خطاب کرنے کی تین صورتیں ہیں ان میں سے جو صورت بھی اختیار کی جائے اللہ تعالیٰ سے توجہ ہٹانے اور حضورؐ کی طرف صرفِ ہمت کرنے کی کہیں گنجائش نہ ملے گی۔

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہونے کی بجائے وہ حضور اکرمؐ کی شخصیت کریمہ کو اپنے دل میں لاکر آپ پر بایں عقیدہ سلام عرض کرے کہ فرشتے اسے حضورؐ کی خدمت میں پہنچا دیں گے۔ اور وہ خود صرف خدا کے حضور میں حاضر رہنے کی نیت رکھے اس صورت میں اس نے حضورؐ کے خیال میں اپنی توجہ خدا سے نہیں ہٹائی نہ صرفِ ہمت کی ہے اسے السلام علیک کہتے ہوئے پورا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ اس کا درود و سلام حضورؐ کو پہنچا رہے ہیں۔ حضرت امام غزالیؒ نے خطاب کی یہ صورت تجویز کی ہے۔

وَاحضر فی قلبك النبی صلی اللہ علیہ وسلم و شخصہ الکریم و قل السلام علیك ایها النبی و رحمة اللہ و برکاتہ ولیصد ق املك فی انہ یبلغہ[1]

ترجمہ: اور تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی شخصیت کریمہ کو دل میں حاضر کر اور کہہ اے نبی آپ پر سلام ہو اور تیری امید پوری ہونی چاہیے کہ یہ سلام حضورؐ کو (فرشتوں کے ذریعہ) پہنچ جاتا ہے۔

۲- نمازی اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہوئے اگر اس اونچے درجے پر جا پہنچے کہ التحیات للہ کہتے ہوئے اس کے لیے عالم ملکوت کا دروازہ کھل جائے اسے واقعی اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری نصیب ہو اور وہ دربار الٰہی میں باریابی پالے اور پھر وہ خدا کے حضور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاضر پائے تو اللہ سے توجہ ہٹائے بغیر وہ حضور پر براہ راست سلام پیش کر دے فرشتوں کا تصور بھی درمیان میں نہ رہے تو اس سلام بھیجنے سے بھی اس نے اللہ تعالیٰ سے توجہ نہیں ہٹائی نہ وہ صرف ہمت کا مرتکب ہوا ہے یہ حضورؐ کی طرف دھیان باندھنا نہیں بلکہ عالم ملکوت کے انکشاف پر خود کا سامنے آجانا ہے۔ فقہائے اسلام لکھتے ہیں کہ اس طرح حضورؐ پر سلام عرض کرنا انہی لوگوں کی منزل ہے جو اس مقام کے ہوں حضرت علامہ عینیؒ لکھتے ہیں

ان المصلین لما استفتحوا باب الملکوت بالتحیات اذن لهم بالدخول فی حریم الحی الذی لا یموت فقرت اعینهم بالمناجات فنبهوا علی ان ذالك بواسطہ نبی الرحمة و برکتہ متابعتہ فاذا التفتوا فاذا الحبیب فی حریم الحبیب حاضر فاقبلوا علیہ قائلین السلام علیك ایها النبی و رحمة اللہ و برکاتہ[2]

ترجمہ: ایسے نمازی جب التحیات کہتے ہوئے باب ملکوت پر دستک دیتے ہیں تو انہیں اس ذات واجب کے دربار میں جو ہمیشہ کے لیے زندہ ہے حاضری کی اجازت مل جاتی ہے اس کی مناجات سے ان کی آنکھیں

---

[1] حیاء علوم الدین جلد ۱ صـ [2] شرح صحیح البخاری جلد ۶ صـ ۱۱۱

ٹھنڈی ہوتی ہیں انہیں اس وقت بتلایا جاتا ہے کہ یہ مقام انہیں نبی رحمت کے طفیل اور آپ کی تابعداری کی برکت سے ملا ہے۔ جب وہ دیکھتے ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے حضور میں موجود پاتے ہیں۔ تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے السلام علیک ایہا النبی کہتے ہوئے سلام عرض کرتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا تنبیہ خود دھیان میں لانا اور آپ پر پوری توجہ جمانا، یہاں تک کہ خدا سے بھی توجہ ہٹ جائے اور صرفِ ہمت ہو جائے یہ وہ صورت نہیں صرفِ ہمت کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں ہے نماز عبادت ہے اور ایک خدا کی عبادت ہے خدا تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونے کی نیت بدل کر یہ نیت باندھنا کہ اب میں حضورؐ کے سامنے حاضر ہو گیا ہوں۔ اس سے نماز کی یہ نیت کہ یہ خدا تعالیٰ کی بندگی ہے، بالکل بدل جاتی ہے

۲۔ نماز کی تشہد میں السلام علیک ایہا النبی واقعہ معراج کی یاد میں ہے

یہ تشہد اس رات کا ایک تذکرہ ہے معراج کی رات حضور اکرمؐ نے التحیات للہ ۔ والصلوات ۔ والطیبات کہہ کر تین تحفے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کئے تھے کہ سب زبانی عبادتیں، بدنی عبادتیں اور مالی عبادتیں صرف اللہ کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں تین تحفے حضورؐ پر پیش فرمائے تھے۔ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اے میرے پیغمبر آپ پر سلام رحمت اور برکت ہو

نماز میں حضورؐ پر سلام واقعہ معراج کی حکایت ہے۔ اور یہ سلام دراصل بندے کی طرف سے نہیں خدا کی طرف سے اس کے حبیب پاکؐ پر پیش ہوا تھا۔ اور مومن اب اس سلام کے ضمن میں اپنا سلام عرض کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے سلام کی حکایت اب بندۂ مومن کی طرف سے ہدیہ سلام ہے۔

حنفیہ کے جلیل القدر محقق علامہ ابن نجیم (۹۶۹ھ) لکھتے ہیں:

اما قولہ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ حکایۃ سلام

اللہ تعالیٰ علی نبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فھی ثلٰثۃ بمقابلۃ
الثلاث التی اثنی بہا النبیؐ علی ربہ لیلۃ الاسراء

ترجمہ: السلام علیک ایہا النبی دراصل اللہ تعالیٰ کے سلام کی حکایت ہے۔
جو اس نے اپنے نبی پاکؐ پر معراج کی رات بھیجا تھا۔ یہ تین تحفے ان تین تعریفوں
کے جواب میں ملے تھے جو اس رات آپؐ نے اپنے پروردگار کے حضور میں
پیش کی تھیں[1]۔

پس نمازی کا سلام حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر واقعہ معراج کی حکایت کے ضمن میں پہنچتا
ہے سلام پیش کرنے کی یہ تیسری صورت ادا ہے ان تینوں صورتوں میں سے جو بھی پیش نظر ہو
صرفِ ہمت کا کسی میں شائبہ نہیں۔

ہمت کی اصطلاح

ارادہ عبادت کی انتہائی حالت

خدا تعالیٰ کی طرف پوری توجہ لگائے رکھنا
نماز کا جوہر ہے ارادہ عبادت کی
انتہائی حالت کو صوفیہ کرام کی اصطلاح میں ہمت کہتے ہیں۔ مومن جب پورے اشتیاق سے
خالص مقصود کی طرف دھیان جمالے تو اس ہمت کے مرد نماز میں اپنے خدا کو پا لیتے ہیں ایسے
نمازیوں کو نماز میں خدا ملتا ہے۔ اور نماز ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتی ہے ارادہ عبادت
کی اس انتہائی حالت میں نمازی جب تک خود رُخ نہ بدلے کسی اور طرف توجہ کرنا اس کے
لیے ممکن نہیں رہتا۔

ہمت صوفیہ کرام کی اصطلاح میں ارادہ عبادت کی انتہائی حالت کا نام ہے عام نمازی
آغاز نماز میں تو اخلاص نیت سے چلتے ہیں صرف ایک طرف نیت باندھتے ہیں کہ خدا کے
سامنے حاضر ہیں لیکن پوری نماز اسی کیفیت سے ختم کرنا صرف اہل ہمت کو ہی نصیب ہوتا

---

[1] البحر الرائق جلد ۱ صفحہ ۳۴۳

ہے یہ کیفیت اونچے درجے کے مومنین کو نماز میں ہمہ وقت حاصل رہتی ہے۔ اور وہ اپنی توجہ کسی اور طرف نہیں پھیر پاتے۔ شیخ الاسلام حضرت شیخ ہروی منازل السائرین میں لکھتے ہیں[1]

(باب الھمۃ) الھمۃ ما یملك الانبعاث للمقصود صرفاً۔

ترجمہ: ہمت (بندہ مومن کا) وہ ارادہ ہے جس کے تحت وہ مقصود حقیقی کی طرف پورے اشتیاق سے متوجہ ہو، اس پر اس طرح دھیان لگائے کہ اپنے مقصود کے سوا کسی اور طرف توجہ نہ ہو سکے)

مدارج السالکین میں ہے:۔

الھمۃ فِعلَۃ من الھم وھو مبدء الارادۃ ولکن خصوھا بنھایۃ الارادۃ فالھم مبدءھا والھمۃ نھایتھا منتہٰ

ترجمہ: ہمت فعلۃ کے وزن پر ہے۔ اس کی اصل ہَم ہے یہ ارادہ کی ابتدائی حالت ہے جب حالت انتہائی درجے میں ہو تو اسے ہمت کہتے ہیں ھَمّ ابتداء ہے اور ہمت اس کی انتہا۔

ارادہ عبادت اس درجے میں ہو تو مومن کو حضور قلب کی دولت مل جاتی ہے اور دل عبادت میں لگ جاتا ہے۔ حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) فرماتے ہیں:۔[2]

ان حضور القلب سببہ الھمۃ فان قلبك تابع لِھمّتك فلا یحضر فیما یھمّك

ترجمہ: بے شک حضور قلب کا ذریعہ ہمت ہے جب تک تیرا دل تیری ہمت کے ساتھ ساتھ چلے گا تو حضور اسی مقصود کا ہوگا جہاں تیری ہمت لگی ہے

نماز میں بندہ کی پوری توجہ جب صرف خدا تعالیٰ پر جمی ہو کسی اور طرف نہ لگے تو یہ حضور قلب کا مقام ہے اور یہ دولت اسی وقت ملتی ہے جب اس پر یہ بات کھلی ہو کہ غرض مطلوب صرف اسی سے وابستہ ہے اور یہی ایمان ہے۔ امام غزالیؒ پھر لکھتے ہیں:

---

[1] منازل السائرین جلد ۲ صہ ۱ [2] احیاء العلوم جلد ۱ صہ ۱۶۲

فلا حیلۃ ولا علاج لاحضار القلب الا بصرف الھمۃ الی الصلوٰۃ والھمۃ لا تنصرف الیھا ما لم یتبیّن ان الغرض المطلوب منوط بھا وذالک ھو الایمان[1]۔

ترجمہ: حضورِ قلب کا مقام پانے کے لیے نماز کی طرف صرف ہمت کے سوا اور کوئی حیلہ اور علاج نہیں اور ہمت (ارادہ کی انتہائی حالت) نماز پر نہیں لگتی جب تک یہ نہ واضح ہو جائے کہ مطلوب تک پہنچنا اسی سے وابستہ ہے اور یہی ایمان ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ صرف ہمت یہ ہے کہ دل اپنے مقصودِ حقیقی سے ایک لمحہ کے لیے بھی غائب نہ ہونے پائے یہ حضورِ قلب کا مقام ہے اور حضور یہ ہے کہ اس میں ذرا غفلت نہ ہو۔ ارادہ کی انتہائی حالت پوری نماز میں قائم رہے دل کسی اور طرف ذرا بھی نہ جھکے تو اس ہمت کے مرد حضورِ قلب کا مقام پا لیتے ہیں بندہ مومن سے ارادہ عبادت کی یہ انتہائی حالت مطلوب ہے یہ قصدِ دل جب انتہائی توجہ سے (جس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی اور طرف توجہ نہ رہے) قائم ہو تو مومن اپنے اس نیک سفر سے کامیاب واپس لوٹتا ہے۔ حضرت امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۵ھ) مرزا بدیع الزمانؒ کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

وحیث طلبت الھمۃ من کمال الالتفات فبشری لک ترجع سالماً وغانماً لکن لا بد من ان تراعی شرطاً واحداً وھو توحید قبلۃ التوجہ فان جعل قبلۃ التوجہ متعددۃ القلو السالک نفسہ الی التفرقۃ[2]

ترجمہ: اور جب تو کیفیت ہمت کو پوری توجہ سے طلب کرے تو تجھے بشارت ہو کہ تو سالم اور کامران اس مہم سے واپس لوٹے گا۔ لیکن اس میں ایک ضرور(ی)

---

[1] احیاء العلوم جلد ا صـ۱۶۲ [2] المنتخبات صـ۳۲

شرط ہے اور وہ قبلہ توجہ کا ایک ہونا ہے۔ (کہ توجہ صرف ایک ہی طرف ہو) توجہ اگر کئی طرف رہے تو سالک نے اپنی جان کو تفرقہ میں ڈال دیا (جس سے توجہ کسی مقصود پر نہ جم سکے گی حالانکہ وہی ہمت کا تقاضا تھا) مدارج السالکین میں ہے:

ان همة العبد اذا تعلقت بالحق تعالیٰ طلباً صادقاً خالصاً محضاً فتلك هی الهمة العالية[1]

ترجمہ: بندہ کی ساری توجہ جب طلب صادق سے اللہ تعالیٰ سے جا لگے اور یہ توجہ خالصتاً صرف خدا تعالیٰ کے لیے ہو، کسی اور طرف توجہ کرنے کی کوئی راہ باقی نہ رہے تو یہ ہمت عالیہ ہے۔

دوسری طرف توجہ کرنے کی کوئی راہ باقی نہ رہنا مقام احسان ہے کہ باقی ہر ایک کے لیے اب یہاں رکاوٹ ہو۔ اس ہمت والے مرد اپنی منزل پر جلد پہنچتے ہیں اور اپنے مقصود کو پا لیتے ہیں۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

الهمة عبارة عن اجتماع الخاطر وتاكد العزيمة بصورة التمنی والطلب بحيث لا يخطر فی القلب خاطر سوی هذا المراد كطلب العطشان الماء[2]

(ترجمہ) ہمت کے معنی اپنے دل کو طلب و آرزو کے ساتھ ایک مقصد پر ٹھہرانا اور اس پر عزم کو اس طرح جمانا ہے کہ دل میں اس خاص مقصد کے سوا اور کسی بات کی طرف دھیان نہ رہے۔ جیسے پیاسے کو

---

[1] مدارج السالکین جلد ۳ صـ۲ [2] القول الجمیل صـ ۹۵ فصل ششم

پیاس کے وقت بس پانی کی ہی طلب ہوتی ہے۔

پیاسا پیاس کی حالت میں کتنے ہی حالات سے کیوں نہ گزرے اس کی ہمت پانی پر ہی جمی ہوتی ہے اور اس کی توجہ اس میں لگی ہوتی ہے۔ اہل حق کے نزدیک مومن کی ہمت نماز میں صرف اللہ تعالیٰ پر جمی رہنی چاہیئے۔ اور وہ پوری پوری طلب و آرزو سے اس قبلہ مقصود پر اپنا دھیان جمائے رکھے۔ خیالات کتنے ہی کیوں نہ گزریں وہ دھیان صرف خدا پر جمائے، خیال آنا اور دھیان جمانا دو مختلف حالتیں ہیں۔ دھیان جمانے کی حالت صرف خدا سے متعلق ہونی چاہیئے مومن کے لیے دل کسی اور طرف پھیرنا خواہ وہ انبیاء ہوں یا فرشتے اس کے ارادہ ہمت کے خلاف ہونا چاہیئے۔ "صرفِ ہمت" سے مراد دل کو مقصود سے پھیر لینا ہے۔ اور ہمت سے مراد اسے مقصود پر جمائے رکھنا ہے۔

کاملین مقصود پر توجہ جمانے میں اتنے کامیاب ہوتے ہیں کہ فنا فی اللہ کا مقام پا لیتے ہیں۔ اس مقام میں خیال لانا تو درکنار خیال آنا بھی باقی نہیں رہتا یہ مقام فنا بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے لیکن ہمت اور قصدِ دل باندھنا مومن کے لیے خدا کے سوا اور کسی طرف جائز نہیں۔ نماز میں بلا قصد کتنے ہی خیالات آئیں اللہ تعالیٰ سے درگذر اور معافی کی امید ہے لیکن توجہ کو قصداً خدا سے ہٹانا اور صرفِ ہمت کر کے اسے اپنے پیر و مرشد یا کسی ولی و پیغمبر پر جمانا نماز کے لیے بہت بڑی آفت ہے اور نماز کے مقامِ توحید میں شیطان کی صریح مداخلت ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

قلب ما سوی اللہ سے چھٹکارا حاصل کر کے سلامتی پائے اور (مقصود کے سوا) ہر چیز کے دیکھنے اور سمجھنے سے فارغ ہو جائے۔ اس مقام پر اللہ

کے سوا کسی کا خیال بتکلف بھی اسے یاد دلائیں وہ ادھر نہ آئے گا۔ دل میں اس کا ہرگز خیال نہ گزرے گا۔ ہمیشہ اپنے مطلوب میں مستغرق اور فنا رہے گا۔ جب معاملہ یہاں تک پہنچے تو سمجھو ایک قدم اس راہ میں اُٹھ گیا ہے[1]

نماز سے باہر شغل رابطہ

مومن جب نماز میں نہ ہو اور اپنے شیخ سے روحانی فیض چاہے تو اپنی ہمت کو شیخ و مُرشد پر پوری طرح متوجہ کر سکتا ہے لیکن یہ عبادت نہیں استفاضہ ہے گویا وہ اپنے شیخ و مُرشد کے سامنے حاضر ہے اور انوار الٰہی شیخ کے واسطہ سے اس کے دل پر اتر رہے ہیں۔

بعض حضرات نے اس شغل رابطہ میں برقعیت کی راہ اختیار کی ہے اس میں شیخ و مرشد اس کے لیے بمنزلہ لباس ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ کے حضور میں حاضر ہے اور شیخ اس پر برقعہ کی صورت میں محیط ہے جس میں وہ گھرا ہوا ہے یہ شغل رابطہ عبادت میں صرفِ ہمت نہیں، نہ اس میں توجہ خدا سے ہٹتی ہے نہ صرفِ ہمت ہوتا ہے۔ اس تجویز سے اختلاف ہو سکتا ہے اس میں آنے والے خطروں سے بھی انکار نہیں۔ لیکن یہ بھی درست ہے کہ اس میں شیخ و مرشد کی طرف صرفِ ہمت نہیں جو صریح شرک ہے۔

نماز میں شیخ و مرشد کی طرف توجہ باندھنا اور خیال جانا کسی طرح بھی جائز ہوتا تو بعض اہل تصوف یہ صورت ہرگز تجویز نہ کرتے صورت برقعیہ میں شیخ بھی عابد قرار پاتا ہے معبود نہیں جناب پیر مہر علی شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

عند التحقیق اس پر کوئی قباحت شرعیہ لازم نہیں خصوصاً تصور برقعیہ پر یعنی خلع

---

[1] دیکھئے مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب نمبر ۴۹ صـ ۹۵

تعین خود صورت شیخ کو برقعہ کی طرح اپنے اوپر کر لینا کہ اس صورت میں تعین و مقصود بہ تعین شیخ، عابد ہو گا نہ معبود۔[1]

یہ تجویز بتا رہی ہے کہ نماز میں شیخ کی طرف صرف ہمت کی جناب پیر صاحب بھی اجازت نہیں دے رہے ورنہ آپ یہ صورت برقعہ ہرگز تجویز نہ کرتے اس صورت میں شیخ قبلہ مقصود نہیں بنتا وہ صرف خدا کی ذات رہتی ہے اس سے توجہ نہیں ہٹتی نہ صرف ہمت ہوتا ہے۔ شغل رابطہ کی صورت جو اس راہ کے سالکین سے ملتی ہے وہ نماز سے باہر ہوتی ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ سالک شیخ کے حضور میں اس طرح بیٹھے گویا اپنے آپ کو اس میں کھو چکا ہے پھر شیخ سے دوری کی حالت میں بھی اس کا دھیان اسے فیض صحبت سے فیضیاب کرے گا۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

فاذا صحبه خلى نفسه عن كل شيءٍ الا محبته وينظر لما يفيض منه ويغمض عينيه او يفتحهما وينظر بين عيني الشيخ فاذا فاض شيءٌ فليتبعه بمجامع قلبه وليحافظ عليه واذا غاب الشيخ عنه يخيل صورته بين عينيه بوصف المحبة والتعظيم فتفيد صورته ما تفيد صحبته[2]

ترجمہ جب وہ شیخ کی صحبت میں بیٹھے اپنے دل کو شیخ کی محبت کے سوا ہر چیز سے خالی کر لے اور اس کی طرف سے فیض کا منتظر رہے اپنی آنکھوں کو بند کرے یا کھلا رکھے اور شیخ کی آنکھوں کے بیچ دیکھتا رہے پھر جب (شیخ کی طرف سے) فیض آئے تو پورے دل کے دھیان

---

[1] مہر منیر ص۴۸۰ [2] القول الجمیل ص

سے اس کے پیچھے پڑے اور اس کی نگہبانی کرے۔ اور شیخ کی عدم موجودگی میں اس کی صورت پوری محبت و تعظیم سے اپنی آنکھوں کے سامنے لائے۔ شیخ کی یہ خیالی صورت اسے اسی طرح فیض پہنچائے گی جیسے اس کی صحبت سے اُسے فیض پہنچاہے۔

واضح رہے کہ یہ شغل رابطہ نماز میں نہیں دوسرے اوقات کا عمل ہے۔
حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے بھی ایک مقام پر اس کا ذکر کیا ہے۔

وتصویر شغل مذکور ایں است کہ برائے دفع خطرات و جمعیت ہمت صورت شیخ را کماینبغی بہ تعیین و تشخیص درخیال حاضر کنند و خود باد ب و تعظیم تمام ہمگی ہمت خود متوجہ باں صورت مے شوند کہ گویا باآداب و تعظیم بسیار رو بروئے شیخ نشستہ اند و دل بالکل باں سو متوجہ مے سازند[1]

ترجمہ:۔ شغل مذکور کی عملی شکل یہ ہے کہ خطرات کے دفع کرنے اور یکسوئی پیدا کرنے کے لیے شیخ کی صورت کو پوری تعیین اور تشخیص کے ساتھ جیسا ہونا چاہیئے اپنے خیال میں حاضر کریں اور پورے ادب و تعظیم اور ہمت کے ساتھ اس کی صورت پر متوجہ ہوں۔ گویا پورے آداب اور تعظیم کے ساتھ شیخ کے سامنے بیٹھے ہیں۔ اور دل کو پورے طور پر اس کی طرف متوجہ کیے ہوئے ہیں۔

اس تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اس شغل رابطہ کے یکسر خلاف نہیں۔ ہاں وہ نماز کے اندر اس کے ہرگز قائل نہیں۔ صوفیہ کرام نے جہاں بھی اس کی تجویز کی ہے نماز کے باہر کی ہے۔ شغل رابطہ میں سالک عامل اور غافل جاہل

---

[1] صراط مستقیم ص۱۸۱ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی حضرت شہیدؒ کی طرح اس کی اجازت دی ہے۔

میں فرق کرنا ضروری ہے۔ جاہل متصوف نماز میں بھی شیخ و مرشد یا فرشتہ و پیغمبر کا تصور باندھ لیتے ہیں۔ انہیں کون روکے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ عمل ہرگز اسلام کا نہیں، شرک کی نہایت تاریک راہ ہے۔ حضرت مولانا عبدالحیؒ صراط مستقیم میں لکھتے ہیں کہ نماز میں یہ شغل کرنا اس سے بدتر ہے کہ انسان دنیا کی کسی عام چیز میں کھو جائے یہ معمولی چیزیں صرف اس کی غفلت کا نشان ہوں گی۔ ان میں شرک کا اندیشہ نہ ہوگا۔ لیکن نماز میں شیخ کی طرف دھیان جانا یہاں تک کہ خدا کی طرف سے بھی توجہ ہٹا لینا "صرفِ ہمت کرنا" شرک نہیں تو کون سا ایمان ہے۔ مولانا عبدالحیؒ صاحب نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی۔ اپنے شیخ و مرشد حضرت سید احمد بریلویؒ کے ارشاد سے لکھی ہے۔ اس عبارت میں موضوع تردید نماز میں شیخ کی طرف صرفِ ہمت کرنا ہے اتفاقاً کسی خیال کا آنا نہیں ہے۔

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہے کہ ہمت کوئی عام لفظ نہیں جسے محض ایک خیال کہہ دیا جائے۔ بلکہ یہ ایک خاص اصطلاح ہے اور یہ بندۂ مومن کی وہ حالت ہے جب وہ ایک مقصود پر اپنی توجہ جمالے اس کے لیے یہ لازم ہے کہ قصد دل کی یہ کھڑکی کسی اور طرف نہ کھلی ہو نماز میں یہ قصدِ دل صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور ارادہ عبادت کی انتہائی حالت اللہ رب العزت کے سوا اور کسی کے لائق نہیں۔ صرفِ ہمت کی اصطلاح خیال۔ وسوسے واردات اور مکاشفات سے کہیں مختلف ہے اہل علم میں سے بھی اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اہل دل بھی ہوں

مقصود سے توجہ ہٹنے کی مختلف صورتیں

سب اہل علم اس پر متفق ہیں کہ نماز میں مقصود حقیقی صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں لیکن اس سے

بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسان ارادہ عبادت کے باوجود دانستہ یا نادانستہ بہت سے دوسرے خیالات میں بھی کھو جاتا ہے مشائخ اور پیر و مرشد روحانی طبیب ہوتے ہیں ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے متوسلین اور عقیدت مندوں کو بتدریج نفسانی ظلمتوں سے نکالیں بڑی آفتوں سے نکال کر چھوٹی آفتوں پرلے آئیں اور پھر چھوٹی آفتیں بھی ایک ایک کر کے چھوٹتی جائیں۔ یہاں تک کہ سالک اپنے مقصود کو پالے مقصود سے توجہ ہٹنے کی مختلف صورتیں ہیں سب سے ادنیٰ صورت نماز میں دنیوی چیزوں کا خیال ہے۔ اور سب سے بدتر صورت یہ ہے کہ انسان نماز میں اللہ تعالیٰ سے توجہ ہٹا کر اپنے مرشد کے سامنے حاضر ہونے کی نیت باندھ لے اور عقیدۂ توحید سے منہ پھیرلے۔

۱۔ خیالات اور وسوسے بھی کئی طرح کے ہیں نماز میں دنیوی چیزوں کا خیال آنا بُرا ہے لیکن گناہ کا خیال جیسے زنا کا وسوسہ اس سے بھی زیادہ بُرا ہے نماز میں دنیوی خیالات عبادت کی لذت سے محروم رکھتے ہیں۔ لیکن گناہ کا وسوسہ کئی ظلمتیں پیدا کرتا ہے زنا کے وسوسے کی نسبت اپنی بیوی کا خیال کم بُرا ہے ویسے دونوں صورتیں نماز کی آفتیں ہیں۔

۲۔ اس سے بڑھ کر آفت یہ ہے کہ انسان نماز میں اس قسم کے خیالات خود لائے کہیں دکان کا حساب کتاب کرنے لگے اور کہیں مارکیٹوں میں گھومنے لگے۔ خیالات کا خود آنا بھی اچھی بات نہ تھی لیکن ایسے خیالات خود لانا اور بھی بُرا ہے۔ ایسا شخص چشمہ معرفت سے پیاسا واپس لوٹتا ہے اور گناہ کا خیال خود لانا اس بھی بدتر ہے۔

۳۔ اس سے بڑھ کر نماز میں کسی ذی وجاہت شخص کی تعظیم ہے نمازی نماز میں بادشاہ صدر کسی وزیر یا کسی افسر سے احترام برتتے امام ہو تو کسی چودھری صاحب یا علاقہ دار کے لیے قرأت یا رکوع کو لمبا کرے تو یہ صورت پہلی دو صورتوں سے بھی زیادہ بڑی

آفت ہوگی۔ نماز اللہ کی انتہائے تعظیم تھی اس میں کسی اور تعظیم کو شامل کرنا کسی طرح جائز نہیں تھا

۴۔ نماز میں یہ احترام اگر کسی ایسے شخص کا نہ ہو جو محض دنیوی طور پر ذی وجاہت اور صاحب عزت ہے بلکہ ایسی شخصیت کا ہو جس سے نمازی کا ایمان اور تکریم کا تعلق ہو۔ وہ نماز میں اپنے پیر و مرشد یا کسی ولی اور بزرگ کی تکریم کرنے لگے یا کسی سے صحابی رسول کا نام سن کر رضی اللہ عنہ کہنے لگے یا حضورؐ کا نام مبارک سن کر درود شریف پڑھنے لگے تو یہ صورت پچھلی تین صورتوں سے بھی زیادہ کڑی ہوگی کیونکہ اس میں نمازی عبادت الٰہی میں ایک اور روحانی تعظیم کو بھی شامل کر رہا ہے۔

۵۔ نماز میں کسی عظیم لائق احترام دینی شخصیت پر پوری توجہ جما دینا یہاں تک کہ خدا کا دھیان بھی نہ رہے ان تمام حالتوں سے زیادہ ضرر رساں ہے جو پہلے بیان ہوئیں اگر خدا سے عمداً توجہ ہٹائی جائے اور اسے کسی بزرگ یا فرشتے پر لگا دیا جائے تو یہ نماز کی سب سے بڑی آفت ہے اسے صرفِ ہمت کہتے ہیں اپنے پیر و مرشد یا کسی اور بزرگ اور ولی کی طرف توجہ باندھنے سے خدا کی عبادت جاتی رہے گی اور مخلوق کی عبادت راہ پالے گی مقصود سے توجہ ہٹنے کی مختلف صورتوں میں سے یہ بدترین صورت اور سب سے بڑی آفت ہے۔

پہلی دو صورتوں میں زد صرف عمل پر پڑتی ہے انسان عبادت کی لذت نہیں پاتا لیکن پچھلی دو صورتوں میں زد ایمان پر بھی پڑ رہی ہے جس کے بعد کچھ باقی نہیں رہتا۔

نماز میں تصور برزخی کی غلط صُورت

بعض جاہل صوفی نماز میں تصور برزخی کے قائل ہیں اور وہ نماز میں اپنے پیر یا کسی بزرگ کا تصور باندھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے پیر کے واسطے سے اپنے خدا کی عبادت کر رہے ہیں۔ اور پیر کے آئینہ میں انہیں خدا کا جلوہ نظر آ رہا ہے یہ وہی تصور ہے جو ہندوؤں

نے اپنے بتوں کے بارے میں قائم کیا تھا وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بت جن بزرگوں کی یاد میں بنے ہیں وہ ان بزرگوں کے واسطے سے خدا کی عبادت کر رہے ہیں۔

مسلمانوں کے لیے اس قسم کے تصور برزخی کی راہ نکالنا اسلام پر ایک بڑا ظلم ہے اور خدا سے توجہ پھیر کر (صرف ہمت کر کے) ہمہ تن اپنے پیر میں ڈوب جانا نماز کی سب سے بڑی آفت ہے۔

برزخی ذکر میں مرید ہمہ تن شیخ کی طرف متوجہ رہتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ پیر خدا کی عبادت میں مشغول ہے اور وہ پیر کو برزخ بنا کر اور درمیانی واسطہ ٹھہرا کر اس عبادت الٰہی میں شریک ہے اس میں مریدوں کو تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ خود ذکر نہ کریں تاکہ خدا کی طرف کہیں دھیان نہ چلا جائے ہمہ تن پیر کی طرف دھیان رکھیں۔ (معاذ اللہ)

مولانا احمد رضا خاں اس تصور برزخی کے قائل تھے۔ لیکن نماز میں اسے اختیار کرنے کی انہوں نے بھی اجازت نہیں دی۔ یہ ان کے مریدوں کی اپنی اپنی ایجاد ہے کہ وہ نماز میں بھی اپنے پیر یا کسی بزرگ اور ولی کی طرف صرف ہمت کرنے لگے ہیں ہاں مجلس ذکر میں وہ ضرور تصور برزخی کی تعلیم دیتے تھے ان کے ملفوظات میں ہے:

"شیخ کے حضور بیٹھ کر ذکر بھی نہ کرے کہ ذکر میں دوسری طرف (خدا کی طرف) مشغول ہوگا اور یہ حقیقتاً ممانعت ذکر نہیں بلکہ تکمیل ذکر ہے کہ وہ جو کرے گا بلا توسل ہوگا اور شیخ کی توجہ سے جو ذکر ہوگا وہ بتوسط ہوگا یہ (برزخی ذکر) اس سے بدرجہا افضل ہے"[1]

اللہ کی شان دیکھئے کہ اللہ کے نام پر اللہ کے ذکر سے روکا جا رہا ہے کہیں خدا کی طرف دھیان نہ چلا جائے اس کے لیے احتیاط بتلائی جا رہی ہے برزخی ذکر کی یہ صورت اگر نماز میں بھی آجائے اور مریدین اپنے پیر کی طرف صرف ہمت کرنے لگیں تو پھر ہندوؤں کی بت

---

[1] ملفوظات ۳ ص۵۷

پرستی اور جاہل مسلمانوں کی صرفِ ہمت میں کیا فرق رہ جائے گا۔ لازم آئے گا کہ ایسے مسلمان بھی مشرک شمار ہوں یا ہندوؤں کی بت پرستی بھی شرک نہ رہے۔

مولانا احمد رضا خاں نماز کے اندر تو صرفِ ہمت کے قائل نہ تھے لیکن ان کا ذہن اس طرف ضرور مائل تھا کہ ہندوؤں کی بُت پرستی کو شرک سے پاک قرار دیا جائے حضرت مرزا مظہر جاناں کے نام ایک خط منسوب کر کے مولانا احمد رضا ہندوؤں کے بارے میں لکھتے ہیں ان کی بت پرستی شرک سے منزّہ (پاک) اور صوفیاء کرام کے تصور برزخ کی مثل ہے۔[۱]

انگریز کے عہد میں ایک یہ وقت بھی آنا تھا کہ مسلمان تصور برزخی کی راہ سے ہندوؤں کی بُت پرستی سے سمجھوتہ کرنے لگیں وہ شرک تو ہیں جن کے شرک میں اب تک کسی جائز تاویل نے راہ نہ پائی تھی اب اس کے لیے بھی راہ ہموار ہونے لگی بت بنانا بھی کفر نہ رہا اور بت خانے بنانے بھی جائز ہو گئے انگریزی عہد میں مولوی فضل رسول بدایونی نے فتوےٰ دیا تھا۔

ببینید کہ ساختن بُت کفر نیست و در جواز بیع	دیکھو بُت کا بنانا کفر نہیں اور اس کی خرید و فروخت کے
آں تفصیل علی الاختلاف۔ و مزدوری ساختن بتخانہ	جائز ہونے میں کچھ تفصیل ہے بُت خانہ بنانے کی مزدوری
و برافروختن نار معبود مجوس جائز[۲]	اور آتش پرستوں کی آگ جلانے کی مزدوری جائز ہے

اگر ہندوؤں کی بت پرستی بھی شرک نہیں بتوں کی طرف توجہ باندھنا محض ایک برزخی وجہ ہے عبادت حقیقت میں خدا کی ہو رہی ہے تو پھر شرک تو دنیا میں کہیں نہ ہو گا جاہلیت کے عرب بھی بتوں کی پوجا اسی نظریئے سے کرتے ہیں کہ وہ خدا کی عبادت میں ان کا وسیلہ ہیں قرآن کریم میں ان کا منقولہ یوں منقول ہے :۔

ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفا (پ ۲۳ الزمر) ہم انہیں اسی لیے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں قریب کر دیں اللہ کے۔ درجے میں۔

---

[۱] احکام شریعت احمد رضا حصہ ۲ ص ۱۹۲

[۲] فتوی مولوی فضل رسول بدایونی ص ۱۲ مطبوعہ اخلاق پریس ۱۲۲۸ھ شاہجہان آباد

دنیا میں شرک ہمیشہ محبت اور عقیدت کی راہ سے آیا ہے مشرک خدا کے مقابلے میں معبود نہیں بناتے ان معبودوں کی طرف توجہ ان کی عقیدت اور محبت کے طور پر راہ خدا میں ایک وسیلہ سمجھ کر کرتے ہیں اور اس سے لذت عبادت کی تائید سمجھتے ہیں پھر یہی شخصیتیں ان کی معبود بن جاتی ہیں عبادت میں کسی بزرگ کی تصویر سامنے رکھنا یا کسی ولی پیغمبر اور فرشتے پر دھیان جمانا اس کی طرف توجہ باندھنا یا ارادہ عبادت کی انتہائی حالت میں صرف ہمت کرنا ایک ایسا زینہ ہے جس کے ذریعہ دنیا میں بُت پرستی پھیلی مشرک قوموں کی تاریخ آپ کے سامنے ہے پہلے اسے بزرگوں کی محبت اور عقیدت کا نام دیا جاتا ہے پھر اس عقیدت کو عبادت میں داخل کیا جاتا ہے اور ان کی تصویر یا تصور برزخ (عبادت میں واسطہ) بنتے ہیں اور آخر کار یہ مُشرک شرک کی اس دلدل میں جا گرتا ہے جہاں سے نکلنا پھر شاید ہی کسی کو نصیب ہو مولانا احمد رضا خود اقرار کرتے ہیں:

دنیا میں بُت پرستی کی ابتدا یوں ہوئی کہ صالحین (اللہ کے نیک بندوں) کی محبت میں ان کی تصاویر بنا کر رکھیں اور اس سے لذت عبادت کی تائید سمجھی شدہ شدہ وہی معبود ہو گئیں[1]

یہ تاویل کہ عبادت میں بزرگوں کی تصویر تو جائز نہیں لیکن ان کا تصور جمانا جائز ہے لائق قبول نہیں خدا کی عبادت میں کسی تاویل سے کسی کو شریک نہ کیجیے عبادت میں خدا اور بندے کے مابین کوئی برزخ (درمیانی واسطہ) نہیں۔

عبادت میں خدا اور بندے کے مابین کوئی برزخ نہیں

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے اونچے درجے والے انبیاء کرام ہیں ان کا مرتبہ تمام ولیوں اور فرشتوں سے بالا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رسالتوں سے نوازا اور انہوں نے اللہ

---

[1] عطایا القدیر فی حکم التصویر ص۳ حسنی پریس بریلی

کے احکام اس کے بندوں تک پہنچائے اور وہ خود بھی احکام الٰہی بجالائے ان پاک ہستیوں نے اپنے لیے بھی یہ حق باقی نہ رکھا کہ وہ عبادت میں خدا اور اس کے بندوں کے مابین واسطہ بنیں لوگوں کو کہیں کہ کچھ وقت تک ہماری عبادت کرو مرادیں ہم سے مانگو اپنا کارساز ہمیں سمجھو، ہماری عبادت کے توسط سے تم خدا کی عبادت کے لائق ہو گے۔ نہیں۔ جوگیوں کا یہ تصوّر برزخی اسلام میں نہیں ملتا اس کے برعکس قرآن کریم کہتا ہے :

ماکان لبشر ان یوتیه الله الکتاب والحکم والنبوة ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون الله ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون ۝ ولا یامرکم ان تتخذوا الملٰئکة والنبیین اربابا ط ایامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون (پ۳ آل عمران ع ۱۵)

ترجمہ : کسی انسان کو جسے اللہ تعالیٰ کتاب حکمت اور پیغمبری عطا کریں یہ حق نہیں کہ لوگوں کو کہے کہ تم اللہ کے سوا میرے بندے ہو جاؤ لیکن وہ یہ کہے کہ تم خدا والے ہو جاؤ۔ جیسا کہ تم سکھاتے تھے کتاب اور تم خود بھی پڑھتے تھے۔ اور نہ یہ کہے کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو (خدا کے ماتحت چھوٹے) خدا ٹھہرا لو۔ کیا وہ تمہیں کفر سکھائے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔

ان نفوس قدسیہ نے عبادت کو براہِ راست خدا کا حق بتلایا جو مسلمان ہوا اسے عبادت کے لیے پہلے دن بھی خدا کے حضور میں ہی کھڑا کیا اسے بتایا کہ وہ خدا کے سامنے پیش ہے وہ خود (انبیاء کرام) خدا کی راہ بتانے والے ہیں عبادت میں خدا اور بندے کے درمیان مرکز توجہ بننے والے نہیں کہ وہ بندہ ان کا تصوّر جما کر نماز پڑھے نماز ابتدائی درجے میں بھی ایک خدا کی عبادت ہے۔ اور انتہائی درجے میں بھی اسی ایک پروردگار کی بندگی ہے۔ ہر گناہ گار سے زیادہ گناہ گار کا بھی وہی ایک خدا ہے اور انبیاء و مرسلین کا بھی وہی ایک معبود ہے ہر ادنیٰ بھی اس کے آگے جھکتا ہے اور حضرت جبریل امین اور حضور خاتم النبیین

صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں

نماز میں ارادہ عبادت کی یہ انتہائی حالت جسے صوفیہ کرام رحمہم اللہ ہمت سے تعبیر کرتے ہیں، صرف ایک خدا کیلئے ہے اسے نماز میں کسی اور طرف پھیرنا۔ صرف ہمت کرنا اور عبادت میں تصور برزخی قائم کرنا قطعاً غلط ہے اسلام میں یہ ہرگز روا نہیں تصور برزخی اور صرف ہمت تو درکنار اسلام میں اتنی بھی گنجائش نہیں کہ امام نماز میں کسی محترم شخصیت کے لیے کوئی رعایت برت سکے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ نماز میں کسی شخص کے ساتھ خاص تعلق کا لحاظ برتنا یا خدا کے سوا کسی اور کی خوشنودی کے لیے کوئی عمل کرنا اس میں شرک کا اندیشہ ہے کہ نماز میں اتنا عمل اس نے غیر خدا کے لیے کیا۔

کیا امام کسی شخص کی رعایت کے لیے رکوع کو اتنا لمبا کر سکتا ہے کہ اسے رکعت مل جائے خصوصاً جب کہ امام اسے جانتا ہو اور اس کی خوشنودی پیش نظر ہو؟ علامہ خطابیؒ (۳۸۸ھ) اس مسئلہ میں لکھتے ہیں۔

کرھہ بعضہم وقال اخاف ان یکون شرکاً وھو مذھب مالک[1]

ترجمہ:۔ بعض آئمہ اسے مکروہ تحریمی کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس پر شرک کا اندیشہ ہے اور یہی حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کا مذہب ہے

ملک العلماء علامہ کاسانی (۵۸۷ھ) البدائع والصنائع فی ترتیب الشرائع میں حضرت امام ابو یوسف (۱۸۲ھ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اس مسئلے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) اور قاضی ابن ابی لیلیٰ (۱۷۳ھ) سے دریافت کیا تو دونوں نے اسے مکروہ تحریمی کہا۔ امام محمدؒ (۱۸۹ھ) کا فتویٰ بھی یہی ہے اور یہی امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) کا آخری فیصلہ تھا۔

---

[1] مرقات جلد ۳ ص۹۰

علامہ ابن نجیمؒ (۹۶۹ھ) فقیہ ابو اللیثؒ سے نقل کرتے ہیں :-

یطیل الرکوع لادراک الجائی اذا لم یعرفه فان عرفه فلا و ابو حنیفة منع منه مطلقاً[1]

ترجمہ :- آنے والا رکوع کو پائے اس کے لیے رکوع کو تب لمبا کرے جب آنیوالے کو پہچانتا نہ ہو اگر پہچانتا ہو تو اس کے لیے رکوع کو ہرگز لمبا نہ کرے اور امام ابو حنیفہؒ تو ہر حال میں اسے منع کرتے ہیں۔

محدث جلیل ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری (۱۰۱۴ھ) رقمطراز ہیں :-

المذهب عندنا ان الامام لو اطال الرکوع لادراک الجائی لا تقرباً بالرکوع لله تعالی فهو مکروه کراهة تحریم و یخشی علیه من امر عظیم[2]

ترجمہ :- ہمارے ہاں فیصلہ یہی ہے کہ امام نے آنیوالے کے لیے اگر رکوع لمبا کر دیا کہ اس میں قرب الٰہی مقصود نہ تھا تو ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اس پر اس سے بھی زیادہ امر (کفر) کا خطرہ ہے۔

صاحب درمختار علامہ الفقیہ علاء الدین (۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں :-

وکره تحریماً اطالته رکوع او قراءة لادراک الجائی ای ان عرفه والا فلا بأس به[3]

ترجمہ : کسی آنیوالے کے لیے رکوع کو طول دینا یا قراءۃ لمبی کرنا مکروہ تحریمی ہے یہ اس صورت میں کہ آنیوالے کو پہچانتا ہو وگرنہ نہیں۔

یہ وہ اساطین اُمت اور ائمہ دین ہیں جن پر اسرار شریعت کھلے ہیں۔ سب کہتے ہیں کہ نماز میں تعلق خاص کی بنا پر کسی کی طرف توجہ اور اس کی رعایت کسی عام شخص کی رعایت کرنے سے زیادہ مضر اور ضرر رساں ہے اور تو اور مولانا احمد رضا خان بھی لکھتے ہیں

---

[1] البحر الرائق جلد ۱ ص ۳۷۲ [2] مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۹۰ [3] درمختار جلد ۲ ص ۲۶۲

اگر خاص کسی شخص کی خاطر اپنے کسی علاقہ خاصہ (خاص تعلق عقیدت) یا خوشامد (تعظیم) کے لیے منظور ہو تو ایک بار تسبیح کی قدر بھی بڑھانے کی اجازت نہیں بلکہ ہمارے امام اعظم نے فرمایا کہ یخشیٰ علیہ امر عظیم یعنی اس میں شرک کا اندیشہ ہے کہ نماز میں اتنا عمل اس نے غیر خدا کے لیے کیا۔ اور اگر خاطر خوشامد (تعظیم) مقصود نہیں بلکہ عمل حسن پر مسلمان کی اعانت۔ اور یہ اس صورت میں واضح ہوتی ہے کہ یہ اس آنے والے کو نہ پہچانے یا پہچانے اور اس کا کوئی تعلق خاص اس سے نہ ہو نہ کوئی غرض اس سے اٹکی ہو تو رکوع میں دو ایک تسبیح کی قدر بڑھا دینا جائز[1]

مولانا احمد رضا یہ کہہ رہے ہیں کہ نماز میں کسی ایسی شخصیت کا لحاظ جس سے خاص تعلق وعقیدت ہو نماز کے روحانی مدارج کو بہ نسبت کسی عام آدمی کی رعایت کے جسے آپ پہچانتے نہ ہوں زیادہ برباد کرتا ہے پہلی صورت میں اس تعظیم سے خداوندی تعظیم میں شرک کا اندیشہ ہے دوسری صورت میں یہ اندیشہ نہیں ہے کیونکہ یہاں تعظیم یکسر مفقود ہے اور شرک کا کوئی خطرہ نہیں گو یہ بات بھی پسندیدہ نہیں یہی بات حضرت شاہ اسمٰعیل محدث دہلوی نے کہی تھی کہ نماز میں اپنے پیر و مرشد یا کسی ولی اور بزرگ کی طرف توجہ جمانا کسی عام چیز کے خیال کی نسبت زیادہ مضر ہے کیونکہ پہلی صورت میں اس تعظیم سے خداوندی تعظیم میں شرک کا احتمال ہے جو دوسری صورت میں یکسر مفقود ہے اصولاً مولانا احمد رضا خاں نے وہی بات کہی ہے، جو شاہ صاحب نے کہی تھی اور فقہ حنفی میں بھی اس کی واضح تائید موجود ہے۔

مولانا احمد رضا خاں یہ نہیں کہہ رہے ہے کہ جو شخص تعظیم وعقیدت کے لائق ہو اس سے اس عام آدمی کا درجہ زیادہ ہے جسے آپ جانتے نہ ہوں یا جانتے ہوں مگر وہ

---

[1] احکام شریعت احمد رضا حصہ ۲ ص ۱۶۰

آپ کے ہاں لائق تعظیم نہ ہو۔ حاشا ان کی مُراد یہ نہیں درجہ میں وہی زیادہ ہے جس سے آپ کا تعظیم کا تعلق ہے اور وہ کسی بات میں شرف و فضیلت رکھتا ہے مسئلہ مذکورہ میں تقابل دونوں کے درجوں کا نہیں موضوع متعلق یہ تھا کہ نماز میں کسی کی طرف خود توجہ جانا یا اس کی رعایت کرنا نماز کے لیے زیادہ آفت ہے، یا محض کسی کا خیال آجانا زیادہ آفت ہے، کہاں شرک کا زیادہ اندیشہ ہے اور کہاں نہیں ، مولانا احمد رضا نے یہ اصولی بات کہی ہے کہ نماز میں کسی عظیم ہستی کی طرف توجہ اور رعایت کسی عام آدمی کی رعایت سے زیادہ خطرناک ہے۔ نماز میں خدا کے سوا کسی کی تعظیم جائز نہیں۔

کوئی شخص مولانا احمد رضا پر یہ الزام لگائے کہ انہوں نے عظیم ہستیوں کی شان عام آدمیوں سے کم کردی ہے کہ عظیم ہستیوں کی رعایت سے تو شرک کا اندیشہ بتلایا اور عام آدمیوں کی رعایت جائز بتلائی تو یہ الزام لگانے والے کی زیادتی ہوگی کیونکہ یہ افراد کا افراد سے یا شخصیت کا شخصیت سے مقابلہ نہیں نہ عظیم ہستیوں کا عام انسانوں سے تقابل ہے تقابل نماز میں عظیم ہستیوں کی طرف توجہ باندھنے اور عام آدمیوں کی رعایت کرنے میں ہے دو متقابل افراد میں نہیں صرف دو متقابل صورت حال پیشِ نظر ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز میں تعلق عقیدت کی بنا پر کسی کی طرف توجہ باندھنا اور اس کی رعایت کرنا کسی عام شخص یا معمولی چیزوں کے دھیان کی نسبت زیادہ ضرر رساں ہے کمزور کی رعایت بھی مثبت صورت میں پسندیدہ نہیں ہاں اس قدر نقصان دہ نہیں جتنی عظیم شخصیتوں کی نماز میں رعایت نقصان دہ ہو سکتی ہے۔

نماز میں کسی کمزور کی رعایت مثبت صورت میں تو پسندیدہ نہیں لیکن منفی صورت میں یہ محمود ہے اور خود شریعت نے اس کی تعلیم دی ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا امّ احدکم الناس فلیخفف فان فیھم الصغیر والکبیر والضعیف والمریض۔ (صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۱۸۸)

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی جماعت کرائے تو تخفیف سے کام لے کیونکہ نمازیوں میں بچے، بوڑھے، کمزور اور مریض سبھی طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔

لیجیے وہی شریعت جس نے کسی عظیم اور ذی وجاہت شخصیت کے لیے قرأت اور رکوع کو لمبا کرنے پر شرک کا اندیشہ بتلایا تھا۔ اس نے کمزور کی رعایت کی خود تعلیم دی ہے کیونکہ کمزور کی رعایت میں تعظیم کا کوئی پہلو نہیں لیکن کسی ذی وجاہت شخص کے انتظار میں اس کی تعظیم لپٹی ہے محض رعایت عبادت کے اتنا قریب نہیں جتنی تعظیم عبادت کے قریب ہے۔

محدث جلیل سیدنا ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری لکھتے ہیں:۔

فرق بین تخفیف الطاعۃ وترک الاطالۃ لغرض وبین اطالۃ العبادۃ بسبب شخص فانہ من الریاء المتعارف وقال الفضیل مبالغاً العبادۃ بغیر اللہ شرک ۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۳ صفحہ ۹۰)

ترجمہ: عبادت میں کمی کر دینے اور کسی مصلحت سے اسے لمبا نہ کرنے میں اور کسی شخص کے لیے عبادت کو لمبا کر دینے میں بڑا فرق کیا گیا ہے یہ دوسری صورت کھلی ریا ہے حضرت فضیل زوردار انداز میں فرماتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرنا شرک ہے۔

حضرت فضیل نے یہاں کسی ذی وجاہت شخص کی نماز میں رعایت کو اس کی عبادت سے تعبیر کیا ہے اور یہ وہی بات ہے جو حضرت شاہ اسماعیل محدث دہلویؒ اور مولانا احمد رضا خاں نے کہی تھی کہ نماز میں کسی عظیم شخصیت کی طرف توجہ اور رعایت کسی عام شخص یا چیز کی طرف دھیان چلا جانے سے زیادہ مضر اور ضرر رساں ہے کیونکہ پہلی صورت میں شرک کا اندیشہ ہے جو دوسری صورت حال میں نہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ نے ایسی صورت میں کہ مثبت پیرایہ عمل کسی تعظیم کا موجب

نہ ہو اس کی کچھ اجازت بھی دی ہے مگر اسے نہ کرنا بہرحال اولیٰ فرمایا ہے آپ لکھتے ہیں :۔

ان کان لا یعرف الجائی فلا بأس ان یطیل والاصح ان ترکہ اولیٰ [1]

توجمہ :۔ اگر وہ امام آنے والے نمازی کو پہچانتا نہ ہو تو اس کے لیے قرأت یا رکوع لمبا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ بھی نہ کرنا چاہیئے

نماز میں سُترہ کی طرف دھیان

سُترہ وہ پردہ یا رکاوٹ ہے جسے سجدے کے فاصلے پر نمازی آگے رکھ لے اور جس کے آگے سے گزرنے والا گزرے تو گناہ گار نہ ہو مسجدوں اور مکانوں میں دیواریں سترہ ہوتی ہیں لیکن میدانوں اور کھلی جگہوں میں نماز پڑھنے والے اپنے آگے کوئی چھڑی وغیرہ رکھ لیتے ہیں۔

نمازی کے آگے سترہ کسی معمولی چیز کا ہو جس کی تعظیم پیدا ہونے کا احتمال نہ ہو یا اس کے آگے ہونے سے اس کی عبادت کا شبہ پیدا نہ ہو سکے تو یہ جائز ہے لیکن کسی آدمی کو سترہ بنا کر آگے رکھ لیا جائے تو اس میں اس کی تعظیم کا احتمال عبادت کو آلودہ کر دے گا۔ حضور اکرمؐ نے تو یہاں تک احتیاط برتنے کی تعلیم دی کہ سترہ کے طور پر اپنے سامنے جو چیز رکھو اسے بھی عین اپنے سامنے نہ رکھو ذرا بائیں طرف کر لو اس میں یہ حکمت تھی کہ سترہ کی طرف توجہ نہ ہو سکے اور تعظیم و عبادت کا وہ تصور راہ نہ پا سکے جو مشرکین کے ہاں رائج تھا وہ بتوں کے بالکل سامنے کھڑے ہوتے تھے اور بُت بھی محض لکڑی کی چھڑی کا نام نہ تھا ان کی وضع انسانی صورتوں میں ہوتی تھی۔ امام نسائی (۳۰۳ ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اذا صلی احدکم الی عمود او ساریۃ او الی شئ فلا یجعلہ بین عینیہ ولیجعلہ علی حاجبہ الایسر [2]

---

[1] (مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۳ صفحہ ۹۰) [2] سُنن نسائی جلد اول ص

ترجمہ :- جب تم میں سے کوئی کسی عمود یا ستون یا کسی اور چیز کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھے تو اس چیز کو پوری طرح اپنے سامنے نہ رکھے بلکہ ذرا بائیں طرف کر لے۔

یہ تو عمود ستون یا کسی لکڑی وغیرہ کی بات تھی جو انسان سے کم درجہ کی مخلوق ہیں جب ان کے بارے میں یہ احتیاط ہے تو کسی انسان کو سامنے بٹھا کر یا اسے سامنے بیٹھا تصوّر کر کے یا اپنے پیر کی طرف توجہ باندھ کر نماز پڑھنا کس طرح درست ہوگا؟ یہ بہت سوچنے کی بات ہے پوری احتیاط چاہیئے کہ نماز میں اللہ کی تعظیم کے ساتھ کسی اور کی تعظیم راہ نہ پا سکے نہ نمازی کسی اور طرف اپنی توجہ جما سکے۔

حضرت عمرؓ کا فتویٰ

امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کسی دوسرے شخص کو بطور سترہ سامنے کر کے نماز پڑھ رہا ہے۔ آپؓ نے دونوں کو دُروں کی سزا دی نماز پڑھنے والے کو فرمایا ۔

أتستقبل صورة فى صلوتك (ترجمہ) تو نماز میں کسی بُت کو آگے کئے ہوئے تھا؟

اور آگے سترہ بننے والے کو فرمایا :

أتستقبل المصلى بوجهك (ترجمہ) کیا تو اپنے چہرے کو نمازی کا قبلہ بنائے ہوئے تھا؟[1]

لیجیئے جس شریعت میں پتھر کے ستون یا لکڑی کے عمود کو سترہ بنانا درست تھا اس میں کسی انسان کو چہرے کے رُخ سے سترہ بنانا درست نہ رہا اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس شریعت میں پتھر یا لکڑی کا درجہ انسان سے زیادہ ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ پتھر یا لکڑی

---

[1] محمود الروایہ جلد ۱ صـ ۹۶

کی صورت میں ان چیزوں کے اکرام کا وہ احتمال نہیں جو ایک انسان دوسرے انسان سے برت سکتا تھا۔ جتنا کسی مخلوق کا درجہ زیادہ ہوگا اتنا ہی نماز میں اس کی طرف رُخ کرنا زیادہ ممنوع ہوگا۔

حضرت انس بن مالکؓ (۹۱ ھ) کہتے ہیں۔

رانی عمر وانا اصلی فقال أقبر امامک فنھانی۔ (المصنف لابن ابی شیبۃ جلد ۲ ص ۳۷۹)

ترجمہ: میں نماز پڑھ رہا تھا حضرت عمر نے مجھے دیکھا تو فرمایا تیرے سامنے قبر ہے آپ نے مجھے منع کیا کہ قبر سامنے رکھ کے نماز پڑھوں، کسی مسلمان کی قبر عام پتھر یا لکڑی سے زیادہ قابلِ احترام ہے۔ مگر اس کی طرف رُخ کرکے یا اسے سترہ بناکر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔

حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو جب سترہ بنانے کے لیے کوئی چیز نہ ملتی اور کسی انسان کو ہی سترہ بنانا پڑتا تو آپ اسے اپنی طرف پشت کرنے کو کہتے تاکہ نماز میں اس کا چہرہ سامنے نہ آسکے آپ اسے فرماتے:-

وَلّنی ظهرك۔ المصنف لابن ابی شیبۃ جلد ۱ ص ۲۷۹۔ کان یقعد رجلاً فیصلی خلفه جلد ۱ ص ۲۸۰)

ترجمہ: تو اپنی پشت میری طرف پھیر لے۔ آپ اسے بٹھا کر اُسکے پیچھے نماز پڑھتے

حضرت عثمانؓ کا فتویٰ

کرہ عثمان ان یستقبل الرجل وھو یصلی وانما ھذا اذا اشتغل به فاما اذا لم یشتغل به فقد قال زید بن ثابت ما بالیت ان الرجل لا یقطع صلوۃ الرجل (صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۲۶)

ترجمہ: حضرت عثمان اس بات کو کہ نماز میں کوئی آدمی سامنے ہو بُرا جانتے

تھے (امام بخاری کہتے ہیں) یہ تب ہے جب نماز پڑھنے والے کا اس کی طرف دھیان ہو لیکن اگر وہ اس کی طرف مشغول نہ ہوتے پاتے تو پھر یہ مکروہ نہیں حضرت زید بن ثابتؓ کہتے تھے میں اس میں حرج نہیں سمجھتا، آدمی دوسرے آدمی کی نماز کو نہیں توڑتا (یعنی اس کی طرف دھیان باندھے کے بغیر اس کی تعظیم کا کوئی احتمال نہیں) حضرت عثمانؓ کے اس فتوے کی قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ) نے جمہور علماء سے تائید نقل کی ہے۔

وحکاہ القاضی عیاض عن عامۃ العلماء وتمامہ فی الحلیۃ[1]

حضرت علی مرتضیٰ کا فتویٰ

مسند بزار میں ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو کسی دوسرے شخص کی طرف رُخ کئے نماز پڑھتے دیکھا آپ نے اسے نماز لوٹانے کا حکم دیا۔ حضرت مُلا علی قاریؒ لکھتے ہیں اس کراہت کو دور فرمانے کے لیے اسے نماز دوبارہ پڑھنے کا امر کیا ہے ہو سکتا ہے کہ اس دوسرے شخص کا چہرہ اس نماز پڑھنے والے کی طرف ہو[2]۔

علامہ حلبیؒ نے شرح منیہ میں اسے مرفوعاً نقل کیا ہے

قال فی شرح المنیہ وھو محمل ما رواہ البزار عن علی ان النبی علیہ الصلوۃ والسلام رای رجلاً یصلی الی رجل فامرہ ان یعید الصلوۃ[3]

حضرت علی مرتضیٰ نے یہ بھی فرمایا

لا تصل تجاہ حش ولا حمام ولا مقبرۃ[4]

حضرت امام محمدؒ (۱۶۹ھ) کتاب الاصل میں یہاں تک لکھتے ہیں کہ امام

---

[1] رد المحتار جلد ۱ ص ۶۰۲ [2] شرح نقایہ جلد ۱ ص ۹۶ [3] رد المحتار جلد ۱ ص ۶۰۳ [4] المصنف لابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۸۰

لوگوں سے کوئی بات کرنا چاہے تو اسے لوگوں کی طرف رُخ کرنے کی صرف اسی صورت میں اجازت ہے کہ کوئی اس کے آگے نماز نہ پڑھ رہا ہو۔

حضرت امام شافعیؒ کا فتویٰ

علامہ شامیؒ کتاب الذخیرہ سے نقل کرتے ہیں:۔

ھٰذا ھو ظاھر المذھب لانہ اذا کان وجھہ مقابل وجہ الامام فی حالتہ قیامہ یکرہ ولو بینھما صفوف[1]

حضرت علامہ عینیؒ نے اسی اصول پر سترہ کا مسئلہ اس طرح بیان کیا ہے:

حضرت علامہ عینیؒ اکابر حنفیہ سے نقل کرتے ہیں کہ اگر کوئی انسان سترہ کے طور پر نمازی کے آگے ہو تو نماز صرف اسی صورت میں جائز ہے کہ اس کی پُشت نمازی کی طرف ہو اگر چہرہ نمازی کی طرف ہوگا تو اس کی تعظیم اور اکرام کا احتمال ہے۔

وَجُوّز بظھر الرجل ومنع بوجھہ[2]

آدمی کی پشت کو سترہ بنانا تو جائز ہے لیکن اسے چہرے کے رُخ سے سترہ بنانا جائز نہیں۔

علامہ عینیؒ کے اس فتوے کا یہ معنی نہیں کہ انسان کی پشت اس کے چہرے سے افضل ہے حاشا ایسا ہرگز نہیں اگر کوئی شخص ان کے ذمہ یہ بات لگائے تو یہ اس کی زیادتی ہوگی۔

امام شافعیؒ تو مطلقاً فرماتے ہیں کہ کسی آدمی یا زندہ جانور کو سترہ نہ بنایا جائے کیونکہ اس میں شرک کا ایہام ہے ملا علی قاری ان سے نقل کرتے ہیں:۔

لایستحب لہ ان یستتر بآدمی او حیوان لشبھتہ لعبادۃ عابدی الاصنام[3]

ترجمہ: نمازی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کسی انسان یا کسی زندہ جانور کو نماز میں سترہ بنائے کہ اس میں بُت پرستوں سے مشابہت ہوگی۔

---

[1] رد المحتار ص۶۰۳ ۔ [2] عینی شرح صحیح بخاری جلد ۴ ص۲۷۸ ۔ [3] مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص۴۴۲

حضرت امام شافعیؒ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ نمازی کی نگاہ موضع سجود میں جہاں سترہ ہے کسی عظیم مخلوق پر ہونے کی بجائے کسی عام مخلوق پر رہے تو ادنیٰ درجے کا یہ دھیان نماز کی اتنی بڑی آفت نہیں کسی اعلیٰ مخلوق پر دھیان باندھنا نقصان دہ ہے کیونکہ اس میں اس کی تعظیم کا احتمال ہے جو نماز میں صرف خدا کے لیے ہونی چاہیئے تھی۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ (۹۵ھ) سے منقول ہے:۔

انه کان یکرہ ان یصلی الرجل و فی قبلة المسجد مصحف [1]

ترجمہ: حضرت ابراہیم اس بات کو بُرا مانتے تھے کہ نمازی کے آگے قبلہ کی طرف قرآن شریف رکھا ہو۔ [1] المصنف لابن ابی شیبة جلد ۲ ص۴۵

حیوانات کا درجہ نباتات سے زیادہ ہے حضرت جابر بن زید (ھ) اس بات کو تو پسند کرتے تھے کہ نباتات پر نماز پڑھ لی جائے لیکن اسے پسند نہ فرماتے کہ کسی حیوان پر نماز ادا کی جائے۔

ان جابر بن زید کان یکرہ الصلوٰة علی کل شئی من الحیوان ویستحب الصلوٰة علی کل شئی من نبات الارض۔ (المصنف لابن ابی شیبة جلد ۱ ص۴۰۱)

اسلام میں جب یہاں تک احتیاط ہے تو کسی زندہ پیر کو آگے بٹھا کر یا اس کی قبر کو قبلہ بنا کر یا اس کی طرف توجہ جما کر نماز پڑھنا یا ذکر الٰہی کرنا کیسے درست ہے مولانا احمد رضا خاں نے بھی نماز میں کسی عظیم شخصیت کی طرف توجہ باندھنے یا اس کی کوئی رعایت کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اور اس کی بجائے کسی عام آدمی کی رعایت کو نماز میں کم خطرہ بتلایا ہے آپ کے خلیفہ مولوی امجد علی یہاں تک لکھتے ہیں کہ:۔

نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر درود پڑھا نماز جاتی رہی۔ (بہار شریعت حصہ سوم ص۱۰۵)

کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ امجد علی صاحب نے درود شریف کی توہین کر دی۔ یہاں نماز ٹوٹنے کا سبب درود شریف نہیں، درود شریف تو نماز میں خود موجود ہے یہاں نماز ٹوٹنے

کی وجہ نمازی کا اس شخص کی طرف پورا دھیان کرنا اور اس کے آپ کا نام لینے کا جواب دینا ہے اسکی اس طرف توجہ اسکی ذات کے لیے نہ ہوئی تھی حضورؐ کے احترام میں ہوئی مگر نماز پھر بھی جاتی رہی

نماز میں خیال آنے اور لانے میں فرق

امیر المومنین سیدنا حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

من توضاء نحو وضوئ ھذا ثم صلی رکعتین لا یحدث فیھما نفسہ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ [1]

ترجمہ :- جو شخص میرے اس وضوء کی طرح وضو کرے اور پھر دو رکعت ایسی پڑھے کہ ان میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں حدیث نفس (اپنے دل سے باتیں کرنے) سے مراد حدیث مجتلب اور مکتسب ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو انسان کھینچ کر اور اپنے عمل سے لائے۔ جو بات دل میں از خود آجائے وہ یہاں مراد نہیں [2]

علامہ عینیؒ لکھتے ہیں :

ان حدیث النفس قسمان ما یھجم علیھا ویتعذر دفعھا وما یسترسل معھا و یمکن قطعہ فیحمل الحدیث علیہ دون الاوّل لعسر اعتبارہ [3]

دل سے باتیں کرنا دو طرح سے ہے جو بات دل پر خود ہجوم کرے اور اس کا روکنا مشکل ہو اور جو دل کے ساتھ آہستہ آہستہ چلے اور اسے ہٹانا ممکن ہو۔ حدیث اس معنی پر محمول ہوگی۔ پہلے معنی پر نہیں کیونکہ اس کا اعتبار ناممکن ہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۵۔ [2] نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۲۰ [3] شرح صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں :

صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اپنے دل سے باتیں نہ کرے دل میں اِدھر اُدھر کے خیال نہ پکائے۔ ایسا ترجمہ نہ کرنا چاہیے کہ دل میں کوئی دوسرا خیال نہ آئے کیونکہ اول اس کا کسب ہے جس کا یہ مکلف ہو سکتا ہے اور ثانی میں اس کا کسب نہیں۔ بلا قصد و اختیار ایک چیز آجاتی ہے لہٰذا اس کا مکلف ہی نہیں ہونا چاہیئے۔ اسی لیے یہاں لایحدّث فرمایا لایخطر فی نفسہ نہیں فرمایا معلوم ہوا کچھ کسب کو دخل ہوتا ہے بعض دفعہ ابتداءً خیال آتے ہیں پھر یہ ڈھیل دیتا ہے اور اپنی طرف سے تعمیر کرتا جاتا ہے یہ بھی تکسب اور تحدیث میں داخل ہو جائے گا[1]

ان تشریحات سے پتہ چلتا ہے کہ خیال آنے اور خیال لانے میں شروع سے ہی علماء فرق کرتے چلے آئے ہیں جب خیال لانے کو بھی پسند نہیں کیا گیا تو خیال جمانے اور خیال باندھنے کی کوئی صورت جواز کیسے نکل سکتی ہے۔ شارع علیہ السلام کا منشا تو یہ ہے کہ اپنے ارادے سے اپنے دل کو کسی اور طرف متوجہ نہ کرے۔

نماز میں خیال آنے اور توجہ جمانے میں فرق

نمازی اگر ارادۃً نیت نہ بدلے اور صرفِ ہمت نہ کرے کہ ارادۃً توجہ خدا سے پھیر کر کسی اور ذی احترام شخصیت جیسے اپنے مرشد بزرگ یا کسی فرشتہ پر لگا دے اور خیالات قصدِ دل پھیرنے کے بغیر از خود آنے لگیں یا قرأت کے دوران خیال ان وادیوں میں گھومنے لگے جن کا ان آیات میں ذکر ہو تو اس پر ملامت نہیں۔ فضا میں کہیں ارواح یا فرشتوں کا نزول ہو اور نمازی کو ان کا کشف ہونے لگے تو اس خیال اور کشف سے تشویش میں نہ پڑے

---

[1] فضل الباری جلد ۲ صلـ ۲۵۹

خیال آنے اور خیال لانے میں بڑا فرق ہے خیالات بلا توجہ بانبدے از خود آنے لگیں یا بغیر قصدِ دل فرشتوں کا کشف ہونے لگے اس میں اور خدا تعالیٰ سے ہمت پھیر کر اسے کسی اور طرف لگا دینے میں زمین و آسمان کا فرق ہے حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ (۱۸۳۲ء) کی صراطِ مستقیم میں ہے :-

"اہل مکاشفات یہ خیال نہ کریں کہ نماز میں شیخ کے تصور یا ارواح یا فرشتوں کی ملاقات کی طرف توجہ کرنا بھی اسی نماز کو حاصل کرنا ہے جو مومنوں کی معراج ہے، نہیں ہرگز نہیں۔ نماز میں یہ توجہ (کہ قصداً خدا سے رُخ پھیر کر دوسری طرف دھیان جائے) یہ بھی شرک کی ایک شاخ ہے خواہ وہ خفی ہو یا اخفی۔ یہ بھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ عزیب مسائل کا سمجھ میں آجانا اور ارواح یا فرشتوں کا کشف نماز میں بُرا ہے بلکہ اس کام کا ارادہ کرنا اور اپنی ہمت (قصدِ دل) کو اس کی طرف متوجہ کر دینا اور نیت میں اس مدعا کو ملا دینا مخلص لوگوں کے خلوص کے خلاف ہے اور خود بخود مسائل کا دل میں آجانا اور ارواح اور فرشتوں کا کشف ان فاخرہ خلعتوں میں سے ہے جو حضورِ حق میں مستغرق با اخلاص لوگوں کو نہایت مہربانیوں کی وجہ سے عطا ہوا کرتے ہیں پس یہ ان کے حق میں ایک ایسا کمال ہے کہ مثال کے موقع پر مجسم ہو گیا ہے اور ان کی نماز ایسی عبادت ہے کہ اس کا ثمرہ آنکھوں کے سامنے آگیا" (صراطِ مستقیم اردو ترجمہ ص۹۶)

جو لوگ آخرت سے بے خوف ہو کر حضرت شاہ اسمٰعیل محدث دہلویؒ پر یہ بہتان باندھتے ہیں کہ ان کے نزدیک نماز میں شیخ یا بزرگانِ دین کا خیال آجانا گدھے اور بیل کا خیال آجانے سے بھی بُرا ہے۔ وہ اس عبارت کو غور سے پڑھیں حضرت شاہ صاحب نے کس نفیس پیرایہ میں ان کے خیال آجانے اور ان کے دکھائی دینے کو خدا تعالیٰ کے انعامات میں سے شمار کیا ہے اہل اللہ کو نماز میں ارواح اولیاء کرام اور فرشتوں سے ملاقاتیں ہونے لگیں تو یہ مقام مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے نزدیک خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک

خلعت فاخرہ ہے۔ مولانا جس بات کو شرک بتا رہے ہیں خواہ وہ کتنا خفی کیوں نہ ہو وہ یہ ہے کہ نمازی خدا سے ارادۃً توجہ پھیر لے اور قصدِ دل کو اپنے شیخ یا بزرگ یا کسی فرشتے کی طرف لگا دے کیونکہ اس صورت میں اس کی نماز صرف خدا کی عبادت نہ رہے گی بلکہ اس میں ان بزرگوں کی تعظیم بھی شامل ہو جائے گی۔ مرشدانِ برحق اس قسم کے شیطانی خطروں سے مریدوں کی نماز کی اصلاح کرتے ہیں تاکہ ان کی نماز حقیقی طور پر مومن کی معراج بن جائے۔

نماز میں کسی لائق احترام شخصیت کی طرف عملاً توجہ دینا اور ہمت کو لگا دینا بالاتفاق ناجائز ہے۔ حضرت شاہ اسمٰعیل محدث دہلویؒ اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی دونوں کا اس پر اتفاق ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک اس پر شرک کا اندیشہ بتلاتے ہیں امام ابویوسف اور امام شافعی اسے حرام کے قریب بتلاتے ہیں اور فقہاء و محدثین اور اہلِ باطن اولیاءِ کرام سب اس پر متفق ہیں کہ نماز ابتداء سے لے کر انتہا تک سب عبادت ہے اور ایک خدا کی عبادت ہے اس میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں نہ کوئی فرشتہ نہ پیغمبر نماز میں کسی انسان سے خطاب کرنا جائز نہیں۔ پوری نماز خدا کی بندگی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا حق اطاعت ہے عبادت نہیں۔ عبادت صرف خدا کی ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں نہ نماز میں بندے اور خدا کے درمیان کوئی برزخ ہے۔ بندہ براہِ راست خدا کے سامنے حاضر ہے اور آدابِ بندگی بجا لا رہا ہے نماز میں قربِ الٰہی جتنا زیادہ ہوتا جائے اتنی توجہ دوسری چیزوں کی طرف کم ہوتی جائے گی حضرت امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:۔

وفی الخبر اقرب ما یکون العبد من الرب فی الصلوٰۃ وقال اللہ تعالیٰ واسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ولاشک ان کل وقت یکون القرب الالٰہی فیہ ازید یکون مجال الغیر فیہ اشد انتفاءً فھم من

هٰذا الحدیث وهٰذه الآیۃ ایضاً أن ذالك فی الصلوٰۃ۔ ؎

ترجمہ: حدیث میں ہے کہ بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب نماز میں ہوتا ہے اور قرآن کریم میں ہے تو سجدہ کر اور قربِ الٰہی میں بڑھتا چلا جا اور اس میں شک نہیں کہ نماز میں قربِ الٰہی جتنا زیادہ ہوگا کسی اور کے نماز میں سمانے کی اتنی ہی سختی سے نفی ہوتی جائے گی۔

اس حدیث اور اس آیت سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ مقامِ قرب نماز میں ملتا ہے۔

ایک شبہہ کا جواب

حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ نماز میں انہیں لشکر کی ترتیب بتلا دی جاتی تھی۔ اس قسم کی روایات کی وجہ سے بعض لوگ نماز میں اپنے بعض امور کا حل تلاش کرنے لگتے ہیں اور خود بھی اپنی توجہ ان امور کی طرف لے جاتے ہیں اس وسوسے کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو اپنے جیسا نہ سمجھو آپؓ قربِ الٰہی کے اس اونچے مقام میں تھے۔ کہ اس قسم کی اسلامی مہمات کی تیاری ان کی نماز میں اثر انداز نہ ہوتی تھی اور ان اسلامی امور میں ان کا خلوص انتہائی درجے میں پہنچ چکا تھا کہ یہ اخلاص خود اللہ تعالیٰ سے وابستگی کا ایک کامل نشان تھا۔ لیجئے حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ہی لکھتے ہیں:

جو کچھ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ نماز میں سامان لشکر کی تدبیر کیا کرتے تھے تو اس قصہ سے مغرور ہو کر اپنی نماز کو تباہ نہ کرنا چاہیئے۔

؎ کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر — گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر (مولانا رومؒ)

ترجمہ: بلند پاک ہستیوں کو اپنے جیسا نہ سمجھو اگرچہ لکھنے میں شیر (جانور) اور

؎ المنتخبات ص۹۲

شیر (دودھ) ایک جیسے دکھائی دیتے ہیں لیکن حقیقت دونوں کی مختلف ہے
حضرت خضر علیہ السلام کے لیے تو کشتی توڑنے اور بے گناہ بچے کو مار ڈالنے میں بڑا ثواب تھا (کیونکہ وہ تکوین الٰہی کی تعمیل کر رہے تھے) اور دوسروں کے لیے (ایسا کام) نہایت درجہ کا گناہ ہے۔ جناب فاروق اعظمؓ کا وہ درجہ تھا کہ لشکر کی تیاری نماز میں خلل انداز نہ ہوتی تھی۔ بلکہ وہ بھی نماز کے کامل کرنیوالے امور میں سے تھی۔ اس لیے کہ وہ تدبیر اللہ جل شانہٗ کے الہامات میں سے آپ کے دل میں ڈالی جاتی تھی اور جو شخص خود کسی امر کی تدبیر کی طرف متوجہ ہو خواہ وہ امر دینی ہو یا دنیاوی بالکل اس کے برخلاف ہے اور جس شخص پر یہ مقام کھل جاتا ہے وہ جانتا ہے[1]۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی یہ عبارت بھی شہادت دے رہی ہے کہ آپ خیال آنے اور خیال لانے میں فرق کر رہے ہیں وہ خیال آنے کو برا نہیں کہہ رہے اسے ایک انعام شمار کرتے ہیں پہلی عبارت میں وہ اسے خلعت فاخرہ کہہ آئے ہیں جو حضور حق میں مستغرق با اخلاص لوگوں کو عطا ہوتا ہے ہاں ارادۃً خیال لانے اور توجہ جانے پر آپ تنقید کر رہے ہیں اور نماز میں مشائخ اور بزرگوں کی طرف جس دھیان جانے کو انہوں نے گھر کی معمولی چیزوں سے بدتر کہا ہے وہ ان کا صرف خیال لانا بھی نہیں ان پر ارادہ عبادت سے پوری توجہ جانا ہے اور صرف توجہ جانا بھی نہیں اسے " خدا تعالیٰ سے ہٹا کر بزرگوں پر لانا ہے اور یہ خیال سے کہیں آگے چوتھے درجے کی منزل ہے وہ اس عظیم خطرے سے سالکین کو جگا رہے ہیں ان کی جرح صرف ہمت پر ہے اور وہ ایک نہایت اونچے مقام میں اس موضوع پر بحث کر رہے ہیں اولیاء اللہ اس مقام پر جو بات کہیں اُسے سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیئے ان پر اعتراض کرنے لگنا سعادت مندی نہیں۔

---

[1] صراط مستقیم ص۹۶ ، ص۹۷

مولانا اسمعیل شہیدؒ خیال باندھنے کیخلاف

حضرت مولانا اسمعیل شہیدؒ اصولی طور پر خیال باندھنے کے خلاف ہیں ان کے نزدیک خیال باندھنے کا یہ عمل جب اپنی قیود و شرائط سے اختیار کیا جائے تو اس میں شرک پیدا ہو جاتا ہے۔ مولانا جہاں کہیں اس قسم کے عمل کی تردید کرتے ہیں خیال کا لفظ استعمال نہیں کرتے خیال باندھنے کی تصریح کرتے ہیں ایک عبارت میں دو دفعہ یہ بات کہی ہو تو دونوں جگہ آپ خیال باندھنے کی تصریح کرینگے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اس بحث میں خیال آنے کے الفاظ سے احتراز فرما رہے ہیں اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ خیال آنے اور خیال باندھنے میں واقعی بڑا فرق ہے۔

صراط مستقیم تو حضرت سید احمد بریلویؒ کے ارشادات کا مجموعہ ہے اور اس کی عبارت زیر بحث بھی مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریر کردہ نہیں مولانا عبدالحیٔ کی تحریر کردہ ہے لیکن تقویۃ الایمان تو مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی ہی تالیف ہے اس میں خیال باندھنے کی شرکیہ صورت اس طرح مرقوم ہے۔

" اس کی صورت کا خیال باندھے اور یوں سمجھے کہ جب میں اس کا نام لیتا ہوں زبان سے یا دل سے یا اس کی صورت کا یا اس کی قبر کا خیال باندھتا ہوں تو وہیں اس کو خبر ہو جاتی ہے اور اس سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہتی اور مجھ پر جو احوال گزرتے ہیں جیسے بیماری اور تندرستی و کشائش و تنگی و مرنا و جینا و غم و خوشی سب کی ہر وقت اسے خبر ہے اور جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے وہ سُن لیتا ہے اور جو خیال و وہم میرے دل میں گزرتا ہے وہ سب سے واقف ہے سو ان باتوں سے شرک ہو جاتا ہے اور اس قسم کی باتیں سب شرک ہیں۔ اس کو اشراک فی العلم کہتے ہیں یعنی اللہ کا سا علم ثابت کرنا۔"[1]

---

[1] تقویت الایمان ص ۹

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے خیال باندھنے کے ساتھ جو شرائط وقیود یہاں ذکر فرمائی ہیں ان شرائط وقیود کے ساتھ کسی کی صورت یا قبر کا خیال باندھنا اور اپنی پوری توجہ اس پر جما دینا اگر شرک نہیں تو کونسا اسلام ہے اور کسی مخلوق کی طرف خیال باندھنے کا عمل اگر نماز میں کیا جائے تو یہ اعتقاد اسلام کے عقیدۂ توحید کو بالکل پامال کیوں نہ کر دے گا۔

اس عبارت سے یہ بھی پتہ چلا کہ خیال باندھنا مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے ہاں ایک خاص اصطلاح ہے وہ جہاں کہیں بھی خیال باندھنے کے عمل پر تنقید کریں وہ تمام شروط وقیود اس میں ملحوظ ہوں گی جو مولانا مرحوم نے یہاں ذکر فرمائی ہیں۔ خیال باندھنے کے اس عمل میں اور خیال آجانے میں کوئی ربط نہیں خیال آجانے کو وہ بعض صورتوں میں انعام الٰہی شمار کرتے ہیں لیکن ان شروط وقیود سے خیال باندھنے کی وہ کہیں اجازت نہیں دیتے۔

مرشدان باصفا اور مشائخ طریقت اپنے مریدوں کی تدریجاً اصلاح کرتے ہیں پہلے انہیں بڑے خطرے سے نکال کر چھوٹے خطرے میں لے جاتے ہیں اور پھر اس چھوٹے خطرے کے ازالہ کی بھی تدبیر فرماتے ہیں حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں زنا کے وسوسہ سے اپنی بیوی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے۔ (صراط مستقیم اردو ص ۹۷)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے نماز میں بیوی کے خیال کو جائز بنایا ہے۔ نہیں۔ آپ یہ سمجھا رہے ہیں کہ زنا کے وسوسہ میں نماز سے بے پرواہی برتنے کے علاوہ ایک معصیت کی ظلمت بھی شامل ہے اور دوسری صورت میں ایک دنیوی مباح بات کا خیال نماز کو خراب کر رہا ہے یہ ایک دنیوی بات کا تصور تو ہے لیکن گناہ کا تصور نہیں زنا کے خیال میں گناہ کا تصور بھی راہ پا رہا ہے بڑے خطرے سے نکال کر چھوٹے خطرہ میں لے آنا مشائخ کا ایک اصلاحی عمل ہے جو شخص گناہ کبیرہ سے بچنے کے لیے محنت کرے اللہ تعالیٰ اُسے

اسے صغیرہ گناہوں سے بچنے کی بھی توفیق دے دیتے ہیں۔

اسی طرح حضرت سید احمد بریلویؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں اپنے شیخ یا اس لائن کے دوسرے بزرگوں کی طرف صرف ہمت کرنا یعنی دل کو ارادۃً خدا تعالیٰ سے پھیر کر ان بزرگوں پر لگا دینا خواہ وہ مقرب فرشتے روح الامین ہی کیوں نہ ہو اپنے گاؤخر (دنیا کے مال) کے خیال میں مستغرق ہونے سے بھی زیادہ برا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت سید صاحب نماز میں گاؤخر کے خیال آنے کو برا نہیں سمجھتے وہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نماز میں دنیا کے خیالات سے نماز سے بے پروائی اور طبیعت کی آوارگی کا اظہار ہے اس میں شرک کا اندیشہ نہیں، آوارہ خیالات میں کسی کی تعظیم لپٹی ہوئی نہیں یہ آوارگی ہے۔ اور بہت بُری ہے لیکن شرک نہیں۔ اور دوسری صورت میں شیخ کی طرف توجہ جب صرف ہمت کے درجہ میں ہوگی اور نمازی نماز میں خدا تعالیٰ کی طرف سے توجہ پھیر کر اپنے شیخ کی طرف متوجہ ہوگا تو شرک کی دلدل میں جا گرے گا۔ اور ظاہر ہے کہ شرک میں مبتلا ہونا گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوبنے سے کئی درجہ بدتر ہے۔ اور یہ ایسا گناہ ہے جس کی کہیں بخشش نہیں۔

یہاں جس چیز کو بدتر کہا گیا ہے وہ شرک کا اندیشہ ہے شیخ نے بزرگوں اور فرشتوں کی شخصیات کریمہ کو برا نہیں کہا نہ ان کا گاؤخر سے مقابلہ کیا گیا ہے لیکن خدا ضد اور تعصب کا ستیاناس کرے کئی لوگ اس عبارت کو ان دو مقامات کے موازنہ کے طور پر نہیں اسے شیخ و مرشد اور گدھے بیل کے موازنہ کے طور پر پیش کرتے ہیں اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے شیخ و مرشد کا مقام گدھے بیل سے بھی کم کر دیا حالانکہ حضرت سید احمد شہید نے یا حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے خیال آنے پر یہاں جرح نہیں کی۔ خیال لانے پر کی ہے۔ آپ نماز میں بزرگوں کے تصور برزخی پر جرح کر رہے ہیں، کہ خدا تعالیٰ سے ارادۃً توجہ پھیر کر اسے ارادہ عبادت کی انتہائی حالت کے ساتھ بزرگوں پر جما دیا جائے یہ

خدا تعالیٰ کی عبادت میں اوروں کو شریک کرنا ہے اور شرک واقعی دنیا کی چیزوں کے خیال میں ڈوبنے سے بدرجہا بدتر ہے نماز میں صرف ہمت کسی طرح جائز نہیں۔

صَرف کے معنی پھیرنے[1] کے ہیں علم صرف میں لفظ مختلف صیغوں میں پھرتا ہے اس لیے اسے صَرف کہتے ہیں۔ صرفِ دولت[2] دولت کے مختلف ہاتھوں میں گردش کرنے کو کہتے ہیں۔ ہمت قصد دل[3] کا نام ہے نماز میں ہمت ارادہ عبادت کی انتہائی حالت کا نام ہے۔ یہ انتہائی حالت جب خدا سے متعلق ہو تو اسے اس سے پھیر کر اپنے شیخ و مرشد یا کسی ولی و پیغمبر پر لگا دینا صرفِ ہمت کہلاتا ہے ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی مسلمان ارادۃً اس عمل شرک کے لیے تیار ہوگا۔ پیاسے کو پیاس کے وقت صرف پانی کی ہی طلب ہوتی ہے۔ عابد کو عبادت کے وقت صرف معبود کی ہی طلب ہونی چاہیئے۔ اس کی "ہمت" یہی ہو کہ دل خدا پر جما رہے وہاں سے اسے کسی طرف نہ پھیرے اور صرفِ ہمت نہ کرے، حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:-

الهمة عبارة عن اجتماع الخاطر وتاكد العزيمة بصورة التمنى والطلب بحيث لا يخطر فى القلب سوى هذا المراد كطلب العطشان الماء[4]

حضرت عمرؓ کے تجہیز لشکر کا مطلب

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

حضرت عمرؓ کے قول انی لاجهز جیشی فی الصلوٰۃ (میں نماز میں اپنے لشکروں کو

---

[1] دیکھئے منتخب اللغات ص۳۰۲ [2] غیاث اللغات ص۲۷۵ منتھی الارب جلد ۲ ص۵۱۳ [3] منازل السائرین و مدارج السالکین جلد ۳ ص۱ ، [4] القول الجمیل ص۹۵ اس کا ترجمہ اس کتاب کے ص۱۰۲ پر پہلے آچکا ہے

ترتیب دیتا ہوں) کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تجہیز جیش کی صورتوں کو میں کھینچ کھینچ کر اپنی طرف لاتا ہوں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان چیزوں کا القاء و الہام ہوتا ہے حضرت عمرؓ کے دل پر اس قسم کی واردات اور القاء و الہام کے واقعات بکثرت مشہور ہیں۔ چنانچہ یا ساریۃ الجبل کا واقعہ آج تک زبان زد خاص و عام چلا آتا ہے حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ فاروق اعظم کو نماز میں جو مومن کی معراج ہے ان باتوں کا الہام ہوتا تھا۔ اس کی برکت ہے کہ ان کے زمانے میں فتوحات بکثرت ہوئیں۔ کیونکہ جب خود اللہ تعالیٰ علیم و خبیر اپنے مخصوص بندہ کو ایسے خاص وقت میں (نماز میں) جہادی تدابیر القاء فرمائے اور عسکری انتظامات سمجھائے تو اس کی کامیابی یقینی اور فتح و نصرت لابدی ہے۔ [۱]

حضرت عمرؓ کا اللہ تعالیٰ سے خلوص اس انتہائی درجے میں پہنچ چکا تھا کہ ان اسلامی مہمات کی تیاری میں ان کا ذات باری میں دھیان اور جذب ذرا بھی متاثر نہ ہوتا تھا جس پر کوئی تدبیر ملاء اعلیٰ سے اترے اور جو شخص خود کسی تدبیر کے درپے ہو دونوں کے مقامات میں فرق ہے حضرت عمرؓ عرفان کے اس اونچے مقام پر تھے کہ اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہوتا تو آپؓ یقیناً نبی ہوتے۔

یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح اور پختہ ہے کہ نماز میں اپنی طرف سے کچھ خیالات پکانے یا اپنے شیخ و مرشد کے ذہنی نقشے جمانے بہ امور نماز میں ہرگز درست نہیں۔ خود کوئی خیال گزرے یا کوئی صورت سامنے آجائے تو انسان اس میں مکلف خود اس میں دھیان لگانا اور توجہ جمانا ضرور نماز کی آفت ہے۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ تو نماز کے باہر بھی کسی حاجت اور ضرورت کے وقت اس خیال باندھنے کو جائز نہیں سمجھتے۔

---

[۱] دیکھئے فضل الباری بشرح صحیح البخاری جلد ۲ صفحہ ۲۶۲

ایک دلچسپ سوال

اس اصول پر جب سب متفق ہیں کہ نماز میں محترم اور لائق تعظیم شخصیتوں کی طرف توجہ باندھنا عام آدمیوں کی رعایت کرنے کی نسبت سے زیادہ مضر ہے کیونکہ اس میں شرک کا اندیشہ ہے جو دوسری صورت میں نہیں اور اس اصول پر اکابر آئمہ کرام کے ساتھ حضرت شاہ اسمٰعیل محدث دہلویؒ اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی دونوں متفق ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ثانی الذکر نے حضرت شاہ صاحبؒ کے اس بیان پر سخت تنقید کی ہے؟ جب ان کا اپنا عقیدہ بھی یہی ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ تو اب شاہ صاحب پر اعتراض کرنے کی کیا وجہ تھی؟

جواب۔ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی عبارت بہت علمی اور اصطلاحات پر مشتمل ہے۔ ہمارا اندازہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کو صرفِ ہمت کے معنی معلوم نہ تھے۔ وہ نہ سمجھ سکے کہ یہ صوفیا کرام کی ایک اصطلاح ہے اور اس سے مُراد ارادہ عبادت کی انتہائی حالت ہے انہوں نے اپنے خیال سے اس کا ترجمہ خیال کیا۔ جو یقیناً غلط تھا

جب کوئی شخص ایسے موضوع پر بات کرے جو اس کا فن نہیں تو اس سے عجائب و غرائب صادر ہوتے ہیں۔ پھر جب اس میں کچھ سیاسی تقاضے بھی لپٹے ہوں تو انسان بے تکی ہانکنے سے نہیں جھجکتا۔ نیک گمان یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کو صرفِ ہمت کے اصطلاحی معنی معلوم نہ ہوں گے ورنہ وہ اتنی کمزور بات نہ کہتے الکوکبۃ الشہابیہ میں الکوکبہ کی صفت الشہابیہ مولوی صاحب کی علمی سطح کا پتہ دیتی ہے۔ معلوم نہیں شہاب میں صفتی معنی انہوں نے کہاں سے دیکھ لیے۔

مولانا احمد رضا خاں حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے بارے میں ہمیشہ شک اور

تردد میں رہے۔ ستر سے زائد وجوہ سے اعتراض کے باوجود آخر میں کہہ دیتے رہے ہو سکتا ہے مولانا اسمٰعیل کی مراد کچھ اور ہو لزوم والتزام میں فرق ہے اس سے گمان ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں ان عبارات کو اچھی طرح نہ سمجھ پائے تھے پس اغلب یہی ہے کہ انہیں صرف ہمت کے معنی معلوم نہ ہوں اور انہوں نے بے خبری میں حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت معنی مراد کے خلاف سمجھ لی ہو۔ اور اس پر یونہی اعتراض کر دیا ہو

ہمارے اس خیال کی تائید ایک اور بات سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی زیر بحث عبارت سے پہلے ایک اور نصیحت گزر چکی ہے کہ زنا کے وسوسے سے اپنی بیوی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے اس میں شاہ صاحبؒ ایک بڑے خطرے سے نکال کر چھوٹے خطرے میں لا رہے تھے۔ اور ان دو صورتوں کو آپ نے ایک دوسرے کے بالمقابل ذکر کیا تھا کہ کونسا خطرہ بڑا ہے اور کون سا چھوٹا۔ اسی طرح آگے جا کر شاہ صاحب نے پھر دو صورتیں تحریر کی ہیں نماز میں اپنے پیر و مرشد کی طرف صرف ہمت کرنا یا نماز میں گھر کی عام چیزوں کا خیال آجانا اور ان دو کے بالمقابل ذکر کیا ہے کہ کون سا خطرہ بڑا ہے اور کون سا چھوٹا۔ پہلے کی دو متقابل صورتیں اپنی جگہ ہیں اور یہ دو متقابل صورتیں اپنی جگہ اس دوسری بحث میں زنا وغیرہ کے الفاظ کہیں مذکور نہ تھے۔ انہیں خواہ مخواہ اس میں بڑھا دیا گیا ہے۔

افسوس کہ مولانا احمد رضا خاں یہاں بھی عبارات کو سمجھ نہ سکے اور دونوں بحثوں کو آپس میں گڈ مڈ کر دیا۔ آپ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ پر اعتراض کرتے ہوئے اپنی مشہور کتاب الکوکبۃ الشہابیہ میں لکھتے ہیں:۔

> مسلمانو! خدا را ان ناپاک شیطانی کاموں پر غور کرو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نماز میں خیال لے جانا ظلمت بالائے ظلمت ہے کسی فاحشہ

رنڈی کے تصور اور اس کے ساتھ زنا کا خیال کرنے
سے بھی بُرا ہے۔[1]

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے صرف ہمت کے الفاظ کو خیال کے لفظ سے نقل کرنا کوئی کم زیادتی نہ تھی پھر اسے ایک پچھلی بحث سے بے تُک جوڑ کر اس عبارت کو اس اشتعال انگیز اور گستاخانہ پیرایہ میں بیان کرنا ظلم بالائے ظلم نہیں تو اور کیا ہے ؟ مولانا احمد رضا یہاں بھی فرق نہیں کر سکے کہ شیخ کے کلام میں یہ دو باتیں اپنی اپنی جگہ تھیں اور صرف ہمت والی بحث میں زنا وغیرہ کا کوئی ذکر نہ تھا مولانا کے انداز فہم سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جلدبازی سے کام لیتے تھے اور وہ حقیقتاً حضرت شیخ کی عبارت کو سمجھ نہیں پائے تھے۔

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی عبارت میں نماز میں بزرگوں اور فرشتوں کی طرف صرفِ ہمت کرنے (ارادہ عبادت کی انتہائی حالت کے ساتھ توجہ جمانے) پر جرح کی گئی تھی محض خیال آجانے پر جرح و قدح ہرگز نہ تھی خیال آجانا ایک قدرتی بات ہے اس پر اعتراض نہ تھا جب نماز میں انبیاء کرام اور ملائکہ کے تذکرے آتے ہیں اور قرآن پڑھا جاتا جاتا ہے تو دوران نماز خیال ان کی طرف چلا جانا ایک فطری امر ہے جو نہ زیر بحث ہے نہ اس کا کسی نے انکار کیا ہے شاہ صاحب صرفِ ہمت پر بحث کر رہے تھے اور جاہل صوفیوں کے تصور برزخی کی تردید کر رہے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں نے صرفِ ہمت کا ترجمہ خیال کر کے اور اس اہل اللہ کی اصطلاح کو نظر انداز کر کے حضرت شاہ صاحب کے ذمے وہ بات لگائی ہے جو شاہ صاحب مرحوم نے ہرگز نہ کہی تھی، اور نہ اس کی کسی مسلمان سے توقع کی جاسکتی ہے۔

---

[1] الکوکبۃ الشہابیہ مطبوعہ نوری کتب خانہ صد ۲۹

نماز میں حضورؐ کا خیال آنے کے بارے میں علمائے دیوبند کا فتوےٰ

حضرت مولانا اسمٰعیل شہید کی علمی تراث اور فکر حریت کے وارث علماء دیو بند تھے دار العلوم میں سوال آیا کہ نماز میں حضورؐ کا خیال آجائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے؟

دار العلوم کی طرف سے حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ نے لکھا:

"جب نماز میں خود التحیات میں اور درود شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے تو خیال آنا تو ضرور ہوا۔ باقی نماز خالص عبادت اللہ کے لیے ہے۔ غیر اللہ کا خیال علی سبیل التعظیم والعبادہ نہ آنا چاہیئے اور نماز ہر حال میں صحیح ہے۔ کیونکہ خیال پر باز پرس نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہٗ عزیز الرحمن عفی عنہٗ" فتاویٰ دار العلوم دیو بند جلد ۱ صـ ۲۲۴

یہ صحیح نہیں کہ علماء دیو بند نماز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلق خیال کو نماز کے مقام توحید کے خلاف سمجھتے ہیں۔ جو بات نماز کے مقام توحید کے خلاف ہے وہ صرفِ ہمت ہے کہ نمازی ہر طرف سے توجہ ہٹا کر اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جا دے مطلق خیال آنا یا بایں نیت خیال لانا کہ توجہ خدا تعالیٰ سے نہ ہٹے۔ اور اس نیت سے سلام عرض کرنا کہ اللہ کے فرشتے اسے حضورؐ پر پیش کر دیں گے ہر گز نماز کی آفت نہیں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں

وفی الاحیاء وشرحہ واحضر فی قلبك النبی صلی اللہ علیہ وسلم وشخصہ الکریم وقل السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ولیصدق املك فی انہ (السلام وما بعدہ) یبلغہ (صلی اللہ علیہ وسلم فی برزخہ کما ورد ذالك فی الصحیحۃ) وانہ صلی اللہ علیہ وسلم یرد علیك ماھو اوفی منہ ردنالك بواسطۃ

ملائکتہ وکلت للتبلیغ، قلت وھذا مثل ما نستعمل صیغ الخطاب للبعید الغائب فی المکاتیب التی نرسل الیہ فنحن نقدر وقت الکتابۃ حضورہ ومواجہتہ متیقنین بوصول المکتوب الیہ مع انہ لیس بحاضر فی الحال

فتح الملہم جلد ۲ ص ۴۲

ترجمہ:- احیاء علوم دین میں ہے اے مخاطب تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی شخصیت کریمہ کو دل میں حاضر کر اور کہہ اے نبی آپ پر سلام ہو۔ اللہ کی رحمت اور اس کی برکت ہو اور تیری امید پوری ہو کہ تیرا سلام و درود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم برزخ میں پہنچے جیساکہ اخبار صحیحہ میں آیا ہے اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیرے سلام کا پورا پورا جواب دیتے ہیں اور یہ ان فرشتوں کی معرفت عمل میں آتا ہے جو یہ پہنچانے پر مقرر کئے گئے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ اسی طرح ہے جیساکہ ہم خطوط میں غائب بعید کے لیے حاضر کے صیغے استعمال کرتے ہیں اور لکھتے وقت اسے حاضر تصور کر لیتے ہیں اور یہ کہ ہم اس کے سامنے ہیں یہ یقین رکھتے ہوئے کہ خط اس تک پہنچ جاتے گا حالانکہ وہ اس وقت حاضر نہیں ہوتا۔

اس تصریح سے پتہ چلتا ہے کہ علماء دیوبند نماز میں حضور کے مطلق خیال کو قطعاً لائق اعتراض نہیں کہتے نہ حضورؐ کی طرف توجہ کرنا ان کے ہاں کوئی عیب ہے بشرطیکہ اس میں صرفِ ہمت نہ ہو جس میں کہ توجہ خدا سے بھی ہٹ جاتی ہے اور انسان شرک کی تاریک وادی میں جا گرتا ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ انسان آپ کو بالفعل حاضر نہ سمجھے۔ اپنے ذہن میں حاضر کرے احضار یہی ہے۔ الحمدللہ

جو لوگ حضورؐ کو حاضر وناظر کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی انکا یہ عقیدہ قطعی نہیں محض ظنی ہے۔ مولانا محمد عمر ایدار علی الوری لکھتے ہیں۔

"لازم نہیں ہے کہ آپ ہر ایک محفل میں بلا ریب رونق افروز ہوتے ہیں بلکہ ہر مجلس میں رونق افروز ہونا مظنون ہے"۔ رسول الکلام، ص ١٤٩۔ تالیف ١٣٠٠ھ مطبوعہ مطبع کریمی لاہور۔

"لفظ حاضر و ناظر سے اگر حضور و نظور بالذات مثل حضور و نظور باری تعالیٰ ہر وقت و ہر لحظہ مراد ہے تو یہ عقیدہ محض غلط و مفضی الی الشرک ہے۔ اور اہلِ اسلام میں یہ عقیدہ کسی جاہل اجہل کا بھی نہ ہوگا"۔ رسول الکلام ص ١٠٥

سو آپ کو ہر جگہ حاضر و ناظر جانے بغیر بایں اعتقاد کہ میرا یہ سلام آپ کی خدمت میں پیش ہو جائے گا اسے صیغۂ خطاب سے پیش کرنا ہرگز ممنوع نہیں۔ علماءِ حق جس چیز سے منع کرتے ہیں وہ صرف ہمت ہے محض خیال آنا نہیں اور وہ بھی صرف نماز میں۔ کیونکہ نماز اول سے آخر تک اللہ کی عبادت ہے اسمیں اسکا کوئی شریک نہیں الحمد للہ کہ نماز کا مقام توحید آپ پا گئے۔ رحمتِ ربانی کا فوارہ مولانا شہیدؒ کی زبان سے آپ نے اچھلتا دیکھا لیکن ایک سوال ابھی باقی ہے وہ یہ کہ کیا اس سے بھی اوپر کوئی روح کی لذت باقی ہے؟ ہاں یہ وہ لذت ہے جو شہید کو تلوار کے سائے میں ملتی ہے۔ اور شہید اس وقت قربِ الٰہی کی وہ لذت پاتا ہے جس کے آگے جنت کی مختلف لذتیں دوسرے درجے میں آجاتی ہیں۔

شہید عشق ہی واقف ہے اسرارِ محبت سے
وگرنہ کس کو آتا ہے سلیقہ سر کٹانے کا

حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید ان خوش نصیبوں میں سے ہیں جو نماز کی لذت بھی پا گئے اور شہادت کی لذت بھی انہیں نصیب ہوئی۔ توحید الٰہی کا نور زندگی بھر ان کے سینوں میں موجزن رہا اور شریعت کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے یہ وفادار اپنے پروردگار سے جا ملے۔

باآں گروہ کہ از ساغرِ وفا مستند
سلامِ ما برسانید ہر کجا ہستند

جہاد کا آغاز دہلی سے کیوں نہ کیا

مرکز جہاد وہی جگہ ہو سکتی ہے جو ایک آزاد خطہ اسلام ہو یا جسے آزادی سے آزاد کرایا جا سکے اس خود مختار علاقے کی طلب میں پہلے یہ حضرات امیر خاں والئی ٹونک کے پاس ٹھہرے اور اس کی فوج میں شامل ہوئے لیکن جب نواب مجبور ہو کر انگریزوں سے مل گیا تو یہ دہلی واپس آ گئے اور پھر ایسے خطے کی تلاش میں رہے جہاں ایک آزاد اسلامی سلطنت کا قیام عمل میں لایا جا سکے۔ یہ وہ وجوہ تھیں جن کے باعث آپ نے ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کا رُخ کیا۔

پہلے آپ نے تبلیغی سفر کئے۔ حضرت مولانا عبدالحیؒ بھی ساتھ ہوتے تھے اور ان سفروں میں ہندوؤں کی خاصی تعداد مسلمان ہوتی گئی۔ مسلمانوں میں جہاد کا جذبہ ابھرتا رہا اور چلتے چلتے مجاہدین کا لشکر بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ پھر وہ وقت آ گیا جب ان حضرات نے ہندوستان کی شمال مغربی سرحد میں مانسہرہ کے قریب ایک چھوٹی سی آزاد مسلم ریاست قائم کر لی اور وہاں سے جہاد کا آغاز کیا۔

یہ صحیح ہے کہ اس وقت حضرات ظاہری کامیابی سے ہمکنار نہ ہوئے لیکن ان کا اخلاص اور جذبہ اتنا اونچا تھا کہ یہ اس ملک میں اٹھنے والی آزادی کی ہر تحریک میں اپنے خون کا رنگ بھر گئے اور اپنی محنت اور قربانی سے آزادی کی ایک ایسی شمع روشن کر گئے جس کی روشنی سالہا سال تک آزادی کے آئندہ قافلوں کو روشنی بخشتی رہی۔

خدا کو یہی منظور تھا کہ ہندوستان کے جو علاقے آئندہ کسی وقت ایک اسلامی سلطنت میں تبدیل ہونے والے ہیں وہیں سے اس جہاد کا عَلَم اٹھے آغاز ان شہدائے بالاکوٹ سے ہوا اور جب یہ محنت کنارے لگی تو انہی بزرگوں کے ایک فرزند جلیل نے یہاں ایک آزاد اسلامی سلطنت کا جھنڈا لہرایا۔ یہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تھے۔